معرفت و وحدانیتِ خدا تعالیٰ

(بشمول ضمیمہ بعنوان: توحید خدا تعالیٰ)

مصنف

محمد تقی کاشانی اعلی اللہ مقامہ

ترجمہ، تلخیص وحواشی

سید جمیل احمد رضوی

Marfat.com

پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے لیے
سید جمیل احمد رضوی
07/12/2013

معرفت و وحدانیتِ خدا تعالیٰ

(بشمول ضمیمہ بعنوان: توحید خدا تعالیٰ)

مصنف:

محمد تقی کاشانی اعلی اللہ مقامہ

ترجمہ، تلخیص و حواشی

سید جمیل احمد رضوی

فیصل آباد

۲۰۱۳ء

Marfat.com

جملہ حقوق بحق مترجم محفوظ

تقی کاشانی ۱۱۷۶۷

عنوان کتاب: معرفت و وحدانیتِ خدا تعالیٰ

(بشمول ضمیمہ بعنوان: توحید خدا تعالیٰ)

عنوان فارسی کتاب: هدایة الطالبین در اصول دین

مصنف: محمد تقی کاشانی اعلی اللہ مقامہ

عنوان کتاب ضمیمہ: بحثی مبسوط در آموزش عقاید

مؤلفین ضمیمہ: محسن غرویان، محمد رضا غلامی، سید محمد حسین میر باقری

ترجمہ، تلخیص و حواشی: سید جمیل احمد رضوی

سابق چیف لائبریرین، پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور

کمپوزنگ محمد قاسم وقار، مقصود احمد

القمر گرافکس 0321-3636125

ناشر: سید فیض الحسن رضوی، فرید ٹاؤن، فیصل آباد (پاکستان)

مطبع: یونس جاوید پریس فیصل آباد

طبع اول: ۲۰۱۳ء

ہدیہ: دعائے خیر برائے مصنف، مؤلفین ضمیمہ، مترجم اور ناشر

Marfat.com

انتساب

اُن انبیاء ورُسُل کے نام جو انسانوں کی ہدایت کے
لیے مبعوث کیے گئے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور یکتائی کا
پیغام دیتے رہے اور اس پیغام رسانی کے لیے مصائب و آلام
کا سامنا بھی کرتے رہے۔

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

Marfat.com

Marfat.com

فہرست مندرجات

عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
عرضِ ناشر	۹	حضرت امام رضاؑ کی گفتگو	۵۱
مقدمہ	۱۳	پانچویں دلیل	۵۲
باب اول: اثباتِ صانع عالم	۲۱	چھٹی دلیل	۵۵
پہلی دلیل	۲۵	ساتویں دلیل	۵۶
ایک بغدادی مردِ صالح کی حکایت	۳۰	آٹھویں دلیل	۵۶
ایک پیاسے ہرن کی حکایت	۳۳	حضرت امام صادقؑ سے سوال	۶۱
ایک پہاڑی گائے کی حکایت	۳۴	حضرت امیر المؤمنینؑ کا قول	۶۲
ایک عظیم الشان فاضل کی عجیب حکایت	۳۴	معرفتِ خدا تعالیٰ	۶۳
ملا صالح مازندرانی کا واقعہ	۳۵	واجب الوجود کی معرفت سے مراد	۶۷
سبکتگین کا واقعہ	۳۶	امیر المؤمنینؑ کی تشریح	۶۹
دوسری دلیل	۳۸	نفس کے معانی	۷۰
تیسری دلیل	۳۸	خواب اور موت میں فرق	۷۱
چوتھی دلیل	۴۰	حدیث (من عرف نفسہ فقد عرف ربہ) کے چند معانی	۷۳
ایک بڑھیا کی معرفت	۴۱	نفس ناطقہ سے وجود خالق پر استدلال	۷۴
ایک اعرابی کی معرفت	۴۲	جسم اور روح کا عجیب تعلق	۷۸
ایک دہری بادشاہ کا اعتراف	۴۳	معرفت نفس	۷۹
دہریوں کا اعتراف وجود خالق	۴۴	توحید خدا تعالیٰ	۸۱
ایک بادشاہ کا وجود خدا کا اعتراف	۴۵	پہلی دلیل	۸۱
حضرت امام جعفر صادقؑ سے ابن ابی العوجاء کی گفتگو	۴۸	دوسری دلیل	۸۲

Marfat.com

عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
تیسری دلیل	۸۵	۸۔خدا تعالیٰ صادق ہے	۱۰۸
چوتھی دلیل	۸۶	صفاتِ سلبیہ کے بیان میں	۱۰۹
پانچویں دلیل	۸۷	۱۔خداوند عالم شریک نہیں رکھتا	۱۱۰
چھٹی دلیل	۸۷	۲۔خدا تعالیٰ مرکب نہیں ہے	۱۱۰
ساتویں دلیل	۸۸	۳۔خدا تعالیٰ کا جسم نہیں ہے	۱۱۲
آٹھویں دلیل	۸۸	دعا کے وقت ہاتھ آسمان کی جانب بلند کیوں کیے جاتے ہیں؟	۱۱۳
صفاتِ خداوند عالم	۹۱	معراج پیغمبر ﷺ کا سبب	۱۱۶
صفات ثبوتیہ	۹۱	اللہ اکبر کا مطلب کیا ہے	۱۱۸
۱۔قادر مختار	۹۱	۴۔خداوند عالم مرئی (قابل دید) نہیں ہے	۱۱۹
قادر مختار ہونے پر عقلی دلائل	۹۳	۵۔خدا تعالیٰ کا کوئی محل نہیں ہے	۱۲۱
۲۔خدا عالم ہے	۹۶	۶۔خداوند عالم معانی نہیں ہے (یعنی اس کی صفات عین ذات ہیں)	۱۲۶
۳۔خداوند عالم حی (زندہ) ہے	۹۹	۷۔خدا تعالیٰ محتاج نہیں ہے	۱۲۷
۴۔خداوند عالم مرید (صاحبِ ارادہ) ہے	۱۰۰	صفاتِ خداوند عالم کی کیفیت کے بیان میں	۱۲۹
ارادہ سے کیا مراد ہے؟	۱۰۱	۱۔پہلی قسم ذاتی صفات	۱۲۹
۵۔خداوند عالم مدرک ہے	۱۰۵	۲۔دوسری قسم فعل کی صفات میں	۱۳۰
۶۔خدا تعالیٰ قدیم ہے	۱۰۵	صفات الٰہی عین اس کی ذات ہیں۔ ۔۔اس سے کیا مراد ہے؟	۱۳۷
۷۔خدا تعالیٰ متکلم ہے	۱۰۷		

Marfat.com

عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
صفاتِ ذاتیہ ایک ہی ہیں (ایک دوسرے کی غیر نہیں ہیں)	۱۳۷	افعالی توحید	۱۵۹
خدا تعالیٰ کا وجود اور ہستی عین اس کی ذات ہے	۱۳۸	قرآن میں توحید	۱۵۹
موجودات کے وجود اور صفات کے لحاظ سے تین مراتب ہیں	۱۳۹	استدلالی توحید قرآنی آیات کے تناظر میں	۱۶۰
دوسرا باب: عدل کے بیان میں	۱۴۱	ذاتی توحید	۱۶۰
عدالت مطلقہ	۱۴۱	خالقیت (خلق کرنے) میں توحید	۱۶۰
عدالت خاصہ	۱۴۱	توحید ربوبیت	۱۶۱
عدالتِ مطلقہ کے اثبات پر دلیل	۱۴۲	ربوبیت تکوینی	۱۶۲
جبر وتفویض کا مبحث	۱۴۲	الوہیت میں توحید	۱۶۸
آقا اور غلام کی مثال	۱۴۴	توحیدِ عبادت (عبادتی توحید)	۱۷۱
مذہب تفویض کے باطل ہونے کے بیان میں	۱۴۵	حقیقتِ عبادت	۱۷۱
مذہب جبر کے باطل ہونے میں	۱۴۶	عبادت میں نیت کی تحریک	۱۷۲
ضمیمہ بعنوان: توحید خدا تعالیٰ (بحثی مبسوط در آموزش عقاید کا ترجمہ وتلخیص)	۱۵۵	توحید الوہیت وتوحید عبادت میں فرق	۱۷۲
		اطاعت میں توحید	۱۷۳
اسلام میں عقیدۂ توحید کی اہمیت	۱۵۶	توحیدِ استعانت	۱۷۴
کلمۂ توحید	۱۵۸	دعا میں توحید	۱۷۵
اقسام توحید	۱۵۸	تذکر (نصیحت)	۱۷۷
ذاتی توحید	۱۵۸	توکل میں توحید	۱۷۸
صفاتی توحید	۱۵۸	خوف ورجا میں توحید	۱۷۹

Marfat.com

عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
محبت میں توحید	۱۸۲	حضرت شعیب علیہ السلام	۱۹۴
مراتبِ محبت	۱۸۳	سرکار رسالتمآب ﷺ	۱۹۴
اقسام توحید کا استدلالی بیان	۱۸۵	سورۂ اخلاص کی مختصر تفسیر	۱۹۴
انبیاءؑ کی زبانی توحید کا بیان	۱۹۰	اللہ تعالیٰ	۱۹۶
دو قرآنی آیات میں حضرت ابراہیمؑ کا استدلال	۱۹۰	احد	۱۹۶
اضافہ (دیگر انبیاءؑ کی زبانی توحید کا اعلان)	۱۹۲	صمد	۱۹۷
حضرت نوح علیہ السلام	۱۹۳	لم یلد ولم یولد (نصاریٰ، یہود اور مشرکین کا رد)	۱۹۸
حضرت ہود علیہ السلام	۱۹۳	خاتمہ	۲۰۱
حضرت صالح علیہ السلام	۱۹۳	فہرست مآخذ ومصادر	۲۰۳

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر

زیر نظر کتاب اللہ تعالیٰ کی معرفت اور یکتائی کے متعلق ہے۔ یہ میری خوش بختی ہے کہ مجھے اس کو شائع کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔ زیر حوالہ موضوع میری خصوصی دلچسپی کا ہے۔ انبیاء و مرسلین علیہم السلام خدا تعالیٰ کی توحید کا پیغام دیتے رہے۔ پیغمبر خدا ﷺ نے بھی یہی پیغام دیا فرمایا:۔

قولوا لا الٰہ الا اللہ تفلحوا (تم کہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، فلاح پاؤ گے۔) اس سے اس نہایت اہم نکتے کا استنباط ہوتا ہے کہ سب خود ساختہ خداؤں کی نفی کرو، پھر ایک اللہ کو مانو۔ قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر اس بارے میں آیات موجود ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے کہ وہ بے خوف و خطر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، یکتائی اور بے مثل ہونے کا اعلان کرتے رہے۔ یوں انسانوں کو ہدایت کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔

میری دیرینہ آرزو تھی کہ اس موضوع (توحید) پر کوئی کتاب شائع کی جائے اور اس کو قارئین کرام تک پہنچایا جائے۔ گذشتہ سال (۲۰۱۲ء) میں محرم کی آٹھ اور

Marfat.com

نو تاریخ کو اپنے آبائی گاؤں (واقع ضلع فیصل آباد) جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں عم محترم سید جمیل احمد رضوی بھی آئے ہوئے تھے۔ نو محرم کو گفتگو کے دوران ان سے اس موضوع پر بات ہوئی۔ انہوں نے ملا محمد تقی کاشانی تہرانی (م ۱۳۲۱ھ) کی فارسی کتاب: ''ھدایۃ الطالبین در اصول دین'' کے پہلے باب کے اردو ترجمے کا ذکر کیا اور یہ بھی بتایا کہ اس کی چار اقساط ماہنامہ'' المجلس'' ، لاہور میں شائع ہوئی تھیں۔ رسالہ بند ہو جانے کی وجہ سے باقی اقساط شائع نہ ہوسکیں۔ میں نے ان سے کہا کہ چونکہ یہ کام توحید کے بارے میں ہے، اس لیے میری خواہش ہے کہ میں اس کو دیکھوں اور یہ بھی کہا کہ اگر آپ اس کام کو مکمل کر دیں تو اس کو شائع کر کے مجھے خوشی ہوگی۔ یوں میری دیرینہ آرزو بھی پوری ہو جائے گی۔ انہوں نے ان اقساط کی عکسی نقل تیار کروا کر مجھے بھیج دی۔ اس کے ساتھ باقی تین قسطوں کو حتمی شکل دے کر مجھے بھیج دیا۔

میں نے ان کا بغور مطالعہ کیا۔ میرا تاثر یہ تھا کہ اس ترجمے کے بعض مقامات ایسے ہیں جن میں اگر ضروری اضافے کر دیے جائیں تو یہ ترجمہ کتابی صورت میں شائع کیا جاسکتا ہے۔ توحید والے حصے کو مزید شرح وبسط کے ساتھ بیان کرنے کی ضرورت بھی محسوس کی۔ چنانچہ راقم السطور نے اپنے برادر محترم سید صفدر علی، فاضل قم (مقیم فیصل آباد) سے بات کی۔ انہوں نے ازراہ کرم اس موضوع پر اپنی ذاتی لائبریری سے چند کتابیں فراہم کیں۔ ان کو دیکھنے کے بعد دو کتابوں کا انتخاب کیا گیا کہ ان میں اس موضوع پر مطلوبہ مواد موجود ہے۔ پہلی کتاب کا عنوان: ''ایضاح المراد فی شرح کشف المراد'' ہے۔

Marfat.com

اس کے شارح علی ربانی گل پایگانی ہیں۔ دوسری کتاب: ''بحثی مبسوط درآموزش عقاید'' ہے۔ اس کے مؤلفین محسن غرویان، محمد رضا غلامی اور سید محمد حسین میر باقری ہیں۔ کتاب: ''بحثی مبسوط درآموزش عقاید'' میں بطور خاص توحید کے موضوع پر تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔ میں نے ان دونوں کتابوں کے متعلقہ حصوں کی عکسی نقول تیار کروائیں اور ان کو عم محترم کو ارسال کر دیا۔ انہوں نے براہ کرم میری استدعا پر مؤخرالذکر کتاب کا تلخیص کے ساتھ اردو ترجمہ کر دیا اور اس میں ضروری حواشی کا اضافہ بھی کر دیا۔ اس طرح یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہو گئی۔ دوسرے حصے کو ''ضمیمہ بعنوان توحید'' سے موسوم کر دیا گیا۔

اس مقام پر یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ احقر نے اس کتاب کی پروف خوانی اور چھپوانے کی ذمہ داری بھی لی جو بحمد اللہ ادا ہو گئی۔ راقم السطور کے لیے یہ امر بہت خوش آئند اور طمانیت کا باعث ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق عطا کی کہ اس کام سے عہدہ برآ ہو سکا۔ یہ خداوند عالم کا خاص فضل و کرم ہے کہ احقر اس ذمہ داری کو سرانجام دے سکا۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

آخر میں میرا یہ خوشگوار فریضہ ہے کہ میں اپنے عم محترم سید جمیل احمد رضوی کا شکریہ ادا کروں کہ انہوں نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود اس کام کو ترجیح دی اور اس کو جلد مکمل کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس کا اجر عطا کرے۔

Marfat.com

برادر مکرم سید صفدر علی کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے مطلوبہ کتب فراہم کیں اور ایک ضروری حوالہ بھی تلاش کر کے دیا۔ ان کا علمی تعاون قابلِ ستائش ہے ۔اللہ تعالیٰ ان کو بھی اپنی نعمتوں سے نوازے اور اپنی عنایات سے بہرہ مند فرمائے۔

سید فیض الحسن رضوی
فرید ٹاؤن، فیصل آباد

Marfat.com

مقدمہ

اصولِ دین کی ابتدا ''توحید'' سے ہوتی ہے۔ اس موضوع کی اہمیت جاننے کے لیے یہی کافی ہے کہ سورہ اخلاص کے متعلق مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ مشرکین کے اٹھائے گئے سوالات کے جواب میں نازل ہوئی تھی۔ انبیاء اور مرسلین بھی اپنی قوموں کو یہی پیغام دیتے رہے۔ سورہ اعراف میں چند انبیاء علیہم السلام کا ذکر کرکے ان کی زبانی توحید کی دعوت دی گئی۔ ان میں سے ہر ایک کا اپنی قوم کے لیے یہی پیغام تھا: ''اے میری قوم! خدا ہی کی عبادت کرو، اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں''۔ سورہ بقرہ میں بھی اس طرح ارشاد ہوا: ''اور تمہارا معبود تو وہی یکتا خدا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں جو بڑا مہربان رحم والا ہے'' (البقرہ۲: ۱۶۳)۔ خدا تعالیٰ کو واحد و یکتا ماننے سے انسانوں کو بہت سے جھوٹے خداؤں سے نجات مل جاتی ہے۔ اسی لیے کلمہ طیبہ کے پہلے حصے میں کہا گیا کہ سب خود ساختہ معبودوں کی نفی کرو پھر خدائے واحد کو حقیقی معبود مانو۔

اس کتاب کا موضوع بھی توحید ہے۔ کتاب کا پہلا حصہ ''ھدایۃ الطالبین در اصول دین'' کے پہلے باب کا ترجمہ ہے۔ اس کے مصنف محمد تقی کاشانی تہرانی (م۱۳۲۱ھ) ہیں۔ انہوں نے متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ ''ھدایۃ الطالبین'' علم کلام کی کتاب ہے جس میں پانچ اصول دین کے مباحث موجود ہیں۔ اس کتاب کا دوسرا حصہ ''بحثی مبسوط در آموزش عقاید'' نامی کتاب کے توحید سے متعلق مبحث کا اردو ترجمہ ہے۔ پہلے کتاب (ھدایۃ الطالبین) کے مصنف کا تعارف کروایا جاتا ہے، پھر

Marfat.com

اس کتاب کا تعارف مقدمہ میں شامل ہے۔

محمد تقی کاشانی تہرانی

یہ محدث نوریؒ کے ہمعصر اور نامور علماء ومشائخ میں سے تھے۔انہوں نے حدیث، تفسیر، فقہ، کلام اور تمام علوم میں (خاص) مقام حاصل کیا۔ان کی بہت سی تصنیفات ہیں جیسے فقہ میں سفینۃ النجات، ھدایۃ الطالبین ، بحر الفوائد ،جامع المواعظ، رسالہ ءردنصاریٰ، توضیحات الآیات، وسیلۃ النجات اور نجم الهدایہ وغیرہ (فوائد الرضویہ فی احوال علماء المذھب الجعفریہ، تالیف شیخ عباس قمی، صفحہ۔۴۳۷)

ان کے بارے میں انٹرنیٹ پر ایک نوٹ موجود ہے جس میں ان کی ولادت اور وفات کے سال دیے ہیں۔ان کی کتابوں کے نام مذکورہ بالا کتب کے علاوہ بھی درج کیے ہیں۔اس سے متعلقہ معلومات اختصار کے ساتھ تحریر کی جاتی ہیں:۔

آقا شیخ محمد تقی کاشانی ۱۲۳۶۔۱۳۲۱ھ۔

والد کا نام: محمد حسین

مقام سکونت: تہران

انہوں نے مقدمات کی تحصیل کے بعد نجف اشرف میں جا کر مزید تعلیم حاصل کی اور وہاں صاحب ''جواہر'' سے بھی علمی استفادہ کیا۔ان کی متعدد تصانیف ہیں۔ان کی کتابوں کے نام یہ ہیں: ''بحر الفوائد سات جلدیں، فقہ میں ''سفینۃ النجاۃ'' اس کی چند جلدیں ہیں اور اس کے ایک حصے کا فارسی ترجمہ ''معین العوام'' کے عنوان سے ہے، ''ھدایۃ الطالبین''، ''جامع الاصول''، ''جامع المواعظ''، ''توضیح الآیات''

Marfat.com

''وسیلۃ النجاۃ''، نجم الھدایۃ''۔۔۔''ایضاح المشتبھات''،قرآن مجید کے مشکل کلمات کی تفسیر میں ہے،''رسالہ شق القمر''،''ھدایۃ المسترشدین فی ردالمضلین''، ''ارشادالمومنین''، فارسی میں احکام اسراف میں ہے،''ھدایۃ الشیعہ''اوراس کا ملخص ''عین الاصول''۔

کتاب ھدایۃ الطالبین دراصول دین'' کے ٹائٹل پر بھی مصنف کے بارے میں توصیفی الفاظ لکھے گئے ہیں۔ان کے مطابق موصوف کی اصل رہائش کاشان میں تھی۔پھر انہوں نے تہران میں سکونت اختیار کرلی تھی۔فارسی الفاظ ذیل میں دیے جاتے ہیں:۔

کتاب ھدایۃ الطالبین دراصول دین کہ از تصنیفات جناب شامخ الالقاب جامع المعقول والمنقول حاوی الفروع والاصول مجتھد العصروالزمانی سرکار آخوند ملا محمد تقی کاشانی الاصل ساکن تہران سلمہ اللہ تعالیٰ میباشد (صفحہ۔۲)

ھدایۃ الطالبین

اس کتاب کا پورا عنوان یہ ہے: کتاب ھدایۃ الطالبین دراصول دین''۔اس کا سال تالیف ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۹ء ہے۔اس کی کتابت ۳۔ربیع الثانی ۱۲۸۶ھ/۱۸۷۰ء میں مکمل ہوئی۔غالباً یہی اس کا سال اشاعت ہے۔یہ تہران میں کارخانہ میرمحمد باقر تہرانی میں طبع ہوئی۔دراصل یہ علم کلام کی کتاب ہے جس میں اصول دین پر فلسفیانہ انداز میں بحث کی گئی ہے۔زیرحوالہ کتاب میں دقیق علمی مسائل کو عام فہم مثالوں کے ذریعے سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔اس میں عقلی اور نقلی دونوں قسم کے دلائل موجود ہیں۔

زیرنظر کتاب کے پانچ ابواب ہیں۔ان کی تفصیل درج ذیل ہے:۔

Marfat.com

١۔ باب اول: توحید کے اثبات میں ہے۔

باب دوم: عدل کے بیان میں ہے۔

باب سوم: نبوت کے بیان میں ہے۔

باب چہارم: امامت کے متعلق ہے۔

باب پنجم: معاد کے اثبات میں ہے۔

پہلے باب کی نو فصلیں ہیں۔ان کی تفصیل ذیل میں دی جاتی ہے:۔

پہلی فصل: اصول دین کے متعلق ہے۔

دوسری فصل: اس بیان میں کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت پانچ صفات کے ساتھ ہونی چاہیے:۔

١۔ پہلی صفت یہ کہ وہ عالم اور ممکنات کا خالق ہے۔

٢۔ دوسری یہ کہ وہ اپنی ذات میں واجب الوجود ہے۔

٣۔ تیسری یہ کہ وہ صفات ثبوتیہ کے ساتھ متصف ہے۔

٤۔ چوتھی یہ کہ وہ تمام نقص والی صفات سے پاک ہے۔ان کو صفات سلبیہ کہتے ہیں۔

٥۔ پانچویں یہ کہ اس کی ذاتی صفات عین اس کی ذات ہیں۔

تیسری فصل: واجب الوجود کے اثبات میں ہے۔

چوتھی فصل: اس بیان میں کہ اس کی ذات کی معرفت محال ہے۔

پانچویں فصل: اس بیان میں کہ واجب الوجود کی معرفت کس طرح ہو سکتی ہے۔

چھٹی فصل: خدا تعالیٰ کی معرفت کے بیان میں کہ یہ انسانی نفس کی معرفت کے واسطے سے ہو سکتی ہے۔

ساتویں فصل: توحید کے اثبات میں ہے۔

Marfat.com

آٹھویں فصل: اللہ تعالیٰ کی صفات کے بیان میں ہے۔اس کے دو حصے ہیں صفات ثبوتیہ اور صفات سلبیہ۔

نویں فصل: اللہ تعالیٰ کی صفات کی کیفیت کے بیان میں ہے۔

زیر حوالہ کتاب کے پہلے باب کا ترجمہ کیا گیا ہے۔یہ ترجمہ بعض مقامات پر تلخیص کے ساتھ کیا ہے۔ضروری حواشی کا اضافہ بھی کیا ہے تا کہ بعض ضروری امور کی وضاحت بھی ہو جائے۔یہ ترجمہ باب اول کی تیسری فصل (اثبات صانع عالم) سے شروع ہوتا ہے۔اس کی چار اقساط ماہنامہ المجلس، لاہور میں شائع ہوئی تھیں۔ان کی تفصیل نیچے درج کی جاتی ہے۔

''اثبات صانع عالم قسط ۱، مشمولہ ماہنامہ المجلس، لاہور،

جلد ۵، شمارہ ۱۰ (نومبر ۱۹۹۳ء)، قسط ۲، جلد ۶، شمارہ ۱ (جنوری ۱۹۹۴ء)،

قسط ۳، جلد ۶، شمارہ ۳ (مارچ ۱۹۹۴ء)، قسط ۴، شمارہ ۶ (جون ۱۹۹۴ء)۔

اس ترجمہ کی پانچویں قسط شائع نہ ہو سکی، کیوں کہ یہ علمی و تحقیقی رسالہ بوجوہ بند ہو گیا۔یہ ہفت روزہ رضا کار، لاہور کے دفتر ہی سے شائع ہوتا تھا۔کئی سالوں سے یہ ہفت روزہ بھی بند ہو گیا ہے۔عام طور پر یہ بات کہی جاتی ہے کہ نئی تحقیق پہلے رسائل ہی میں شائع ہوتی ہے۔بعد میں کتابی صورت میں منظر عام پر آتی ہے۔ماہنامہ المجلس کے بند ہونے سے اس ترجمہ کا باقی مسودہ اپنی ابتدائی صورت میں پڑا رہا۔کئی بار سوچا کہ اس کو مکمل کر کے کتابی صورت میں چھاپ دینا چاہیے۔کہا جاتا ہے کہ ہر کام کا ایک وقت معین ہوتا ہے۔یہی صورت حال زیر نظر ترجمہ کے ساتھ بھی پیدا ہوئی۔گذشتہ سال (۲۰۱۲ء) میں محرم کے

Marfat.com

پہلے عشرہ میں فیصل آباد میں اپنے گاؤں گیا ہوا تھا۔ چونکہ اس ترجمہ کا موضوع معرفت خدا تعالیٰ اور توحید ہے، اس لیے یہ خیال ذہن میں پرورش پاتا رہا کہ اس کی اہمیت کے پیش نظر اس کی اشاعت ضروری ہے۔ گاؤں میں عزیز فیض الحسن سلمہ اللہ تعالیٰ سے اس موضوع پر بات ہوئی۔ انہوں نے اس ترجمہ میں بہت دلچسپی کا اظہار کیا اور کہا کہ اس کو مکمل کریں۔ مزید یہ کہ انہوں نے اس کو شائع کروانے کی ذمہ داری بھی لی۔ بعد میں انہوں نے شائع شدہ حصے کو دیکھا تو کہنے لگے کہ اس کی باقی اقساط کو حتمی صورت دیں اور مکمل کریں۔

عزیز سلمہٗ کا خیال تھا کہ توحید والا حصہ مزید تفصیل کا متقاضی ہے۔ یہ ان کی خصوصی دلچسپی کا موضوع ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے متعدد کتابیں جمع کر رکھی ہیں۔ انہوں نے متعلقہ کتب مجھے بھجوا دیں۔ انہوں نے مزید لٹریچر کی تلاش شروع کی۔ یہ حسن اتفاق ہے کہ انہوں نے جب عزیز مکرم سید صفدر علی، فاضل قم (مقیم فیصل آباد) سے رابطہ کیا تو موصوف نے اس سلسلے میں بہت تعاون کیا۔ وہ اپنے ذاتی ذخیرۂ کتب سے چند کتابیں عزیز فیض الحسن سلمہ کے پاس لائے۔ عزیز نے ان کو بغور دیکھا۔ انہوں نے دو کتابوں کا انتخاب کیا اور ان کے متعلقہ حصوں کی عکسی نقول تیار کروا کر راقم السطور کو بھجوا دیں۔ ان میں سے ایک کتاب کا عنوان ''بحثی مبسوط در آموزش عقاید'' ہے۔ اس کے تین مؤلفین ہیں: محسن غرویان، محمد رضا غلامی اور سید محمد حسین میر باقری۔ اور دوسری کا عنوان ''ایضاح المراد فی شرح کشف المراد'' ہے۔ اوّل الذکر کتاب فارسی زبان میں ہے اور مؤخر الذکر عربی میں۔ اس کے مصنف علی ربانی گلپایگانی ہیں۔

اول الذکر کتاب میں توحید کے مبحث کو شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا گیا

Marfat.com

ہے۔غور وفکر کے بعد فیصلہ کیا گیا کہ اس کتاب سے ''توحید'' والے منتخب حصے کا اردو میں ترجمہ کر کے ''ضمیمہ'' کے طور پر ''ھدایۃ الطالبین'' کے ترجمہ کے ساتھ شامل کر دیا جائے۔اس سال (۲۰۱۳ء) رمضان المبارک کے شروع میں ترجمہ شروع کیا جو بحمد اللہ ایک ہفتہ عشرہ میں مکمل ہو گیا۔بعد میں اس کے ساتھ ضروری حواشی بھی شامل کر دیے گئے۔اس طرح بعض نکات کی مزید توضیح وتشریح ہو گئی۔

موجودہ صورت میں یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔پہلا حصہ ''ھدایۃ الطالبین'' کے پہلے باب کے ترجمہ پر مشتمل ہے۔جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ یہ پہلے باب کی تیسری فصل سے شروع ہوتا ہے۔اس کے دوسرے باب ''عدل'' کا منتخب اور ملخص ترجمہ بھی شامل کر دیا ہے۔کتاب کا دوسرا حصہ،جیسا کہ پہلے تحریر کیا جا چکا ہے،''بحثی مبسوط در آموزش عقاید'' کے توحید والے مبحث پر مشتمل ہے۔اس کو بھی تلخیص کی صورت میں شامل کیا ہے۔ضروری حواشی کا دونوں حصوں میں اضافہ کیا گیا ہے۔

آخر میں خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس کی دی ہوئی توفیق سے یہ کام مکمل ہوا۔الحمدللہ علی احسانہ۔یہ رسمی الفاظ ہیں جن کو لکھ رہا ہوں۔ورنہ اس کا شکر تو ادا کیا ہی نہیں جا سکتا۔اس سلسلے میں الفاظ کا دامن ہمیشہ تنگ ہوتا ہے۔شیخ سعدی کا یہ شعر اس پر صادق آتا ہے:۔

از دست و زبان کہ بر آید
کز عہدۂ شکرش بدر آید

اس حقیقت کا اعتراف ضروری ہے کہ اگر عزیز فیض الحسن سلمہ اللہ تعالیٰ بھرپور

Marfat.com

دلچسپی نہ لیتے، تو شاید یہ کتاب تھوڑے وقت میں تکمیل و اشاعت کے مراحل طے نہ کرتی۔ ان کے فون پر مسلسل رابطے نے مہمیز کا کام کیا۔ انہوں نے کتابوں کی فراہمی میں بھی قابل ستائش کردار ادا کیا۔ کتاب کی اشاعت بھی ایک مشکل مرحلہ ہوتا ہے۔ پروف خوانی اور پریس سے مسلسل رابطہ رکھنے کے لیے بطور خاص وقت نکالنا پڑتا ہے۔ یہ کام عزیز موصوف نے اپنے ذمے لیے۔ خداوند عالم ان کو اجر عظیم عطا کرے۔

مکرم و محترم مفتی محمد اسحاق فیصل آبادی کا بھی سپاس گزار ہوں کہ انہوں نے اس موضوع کے حوالے سے بہت مفید علمی مشورے دیے۔ ان کا علمی تعاون بھی قابل ستائش ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو بھی اس کا اجر عطا کرے۔ (☆)

عزیز مکرم سید صفدر علی فاضل قم کا بھی شکریہ ادا کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے ذاتی کتب خانہ سے کتابیں فراہم کیں۔ ان کے اس قابل تحسین و توصیف تعاون کے لیے سپاس گزار ہوں۔ خداوند عالم ان کو خوش و خرم اور صحت و سلامتی سے رکھے۔

مقدمہ کو اللہ تعالیٰ کا دوبارہ شکر ادا کرتے ہوئے ختم کرتا ہوں۔

سید جمیل احمد رضوی

۱۴، شوال المکرّم ۱۴۳۴ھ/۲۲۔ اگست ۲۰۱۳ء

نیو شالیمار ٹاؤن، لاہور

(☆) مفتی صاحب کا انتقال ۲۸۔ اگست ۲۰۱۳ء کو فیصل آباد میں ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت کے سایہ میں رکھے۔

Marfat.com

باب اول

اثباتِ صانعِ عالم

جان لے کہ ہر علم کا ثمر اور ہر معرفت کا نتیجہ واجب الوجود کو پہچاننا ہے۔ تمام نیکیوں کی بنیاد، تمام عبادات کی اصل، اور تمام سعادتوں کا حصول صانعِ عالم کے وجود پر یقین رکھنے پر ہے، لہٰذا اے ہدایت کے طالب ! جان لے کہ عالم کا ایک صانع اور خالق ہے جو اپنی ذات میں واجب الوجود ہے یعنی ایسی ذات جس کی ہستی لازمی اور ضروری ہے اور اس کی ذات کے لیے نیستی (نہ ہونا) محال ہے یعنی جب وجود بمعنیٰ منشاء اثر (اثر کے سبب کے معنیٰ میں) عین اس کی ذات ہے، تو اس کی ہستی اس کی ذات کے لحاظ سے ضروری ہے غیر کے ملاخطہ کے بغیر اور اس کی ذات کے لحاظ سے اس کی نیستی (موجود نہ ہونا) محال ہے غیر کے ملاخطہ کے بغیر، کیوں کہ نفس سے سلب شیئ محال ہے اس معنیٰ میں کہ اس کا وجود ہمارے وجود کی مانند نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ہم ہوں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہم نہ ہوں، ہماری ہستی (ہونا) ضروری نہیں ہوتی مگر غیر کے سبب سے جو خداتعالیٰ کی مشیت ہوتی ہے۔ لہٰذا ہم واجب بالغیر (ممکن الوجود) ہیں اور خداوند عالم واجب بالغیر نہیں ہے، بلکہ وہ تو اپنی ذات میں واجب الوجود ہے اور اس کی ذات، اثباتِ وجود کی علت اس کی ذات کے لیے ہے اس معنیٰ میں کہ اس کی ہستی (موجود ہونا) اپنے آپ سے ہے نہ کہ کسی دوسرے سے، کیوں کہ اگر دوسرے سے ہوگی تو لازم آتا ہے کہ اس دوسرے کی تاثیر کے مرتبہ میں نیستی رکھتا ہوگا (غیر

Marfat.com

موجود ہوگا)، (بصورت دیگر) تحصیل حاصل لازم آتا ہے۔ اور یہ (نیستی) وجوب وجود کے وصف کے ساتھ ممتنع (مانع) ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا وجود عین اس کی ذات ہونا چاہیے۔ اگر اس کی ذات کا غیر ہوگا تو ممکن ہوگا نہ کہ واجب۔ پس اگر اس ذات کی تاثیر میں ہستی رکھتا تھا تو تحصیل حاصل لازم آتا ہے۔ اور اگر نیستی (عدم وجود) رکھتا تھا تو لازم آتا ہے کہ جو چیز نیستی رکھتی ہو اور ہستی بخشنے والی نہ ہو لیکن ہستی بخشنے تو یہ بداہت عقل (عقلی طور پر ظاہری امور) سے محال ہے۔ لہٰذا خداوند عالم کے وجود اور ہستی کو اس کی عین ذات ہونا چاہیے اور اس کی ذات اس کا عین وجود بمعنی امنشاء اثر (اثر کے سبب کے معنیٰ میں) ہو، تاکہ وہ اپنی ذات میں واجب الوجود ہو۔

جان لے کہ صانع عالم کے اثبات پر اور اس کی وحدت کے اثبات پر بہت سی دلیلیں ہیں:۔

وَفِي كُلِّ شَيْءٍ لَهُ آيَةٌ
تَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ وَاحِدٌ

ترجمہ: اور ہر چیز میں اس کے لیے ایک علامت ہے جو دلالت کرتی ہے کہ وہ واحد ہے۔

سید نعمت اللہ جزائری اعلی اللہ مقامہ کتاب ''انوار نعمانیہ'' کے شروع میں فرماتے ہیں کہ مجھ سے نقل (بیان) کیا گیا کہ فاضل دوانی نے ارادہ کیا کہ واجب الوجود کے اثبات میں ایک رسالہ لکھیں۔ ان کی بیوی نے ان سے کہا کہ آپ کیا لکھنا چاہتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ ایک رسالہ واجب الوجود کے اثبات میں لکھوں۔ ان کی بیوی نے ان کے لیے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی تھی:۔

۱۱۷۶۷۱

Marfat.com

افی اللہ شک فاطر السموت والارض (ابراہیم ۱۴: ۱۰)

(یعنی کیا خدا کے متعلق شک ہے جو زمین اور آسمانوں کا خالق ہے)۔ پس فاضل دوانی نے رسالہ کی تالیف کے ارادہ کو ترک کر دیا۔

جان لے کہ واجب الوجود کا وجود ظاہر، ہویدا اور روشن ہے، بلکہ حقیقت میں دلیل کی حاجت نہیں رکھتا کیونکہ صانع کا وجود عالم کے لیے تمام چیزوں سے زیادہ ظاہر اور روشن ہے اور کونسی چیز اس سے زیادہ روشن ہو سکتی ہے، جس امر میں بھی تو نظر کرے، اس میں کئی ہزار علامتیں، اس کی صنعت کی علامتوں سے ظاہر ہوتی ہیں۔ تیرے ہر عضو میں اس نے کئی دلیلیں قرار دی ہیں اور تو ہر لحہ اس سے سینکڑوں قسم کی حاجتیں رکھتا ہے۔ وہ تیرے جسم کا کارفرما اور مربیّ ہے۔ اسی وجہ سے محققین کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ واجب الوجود کا خفا اس اعتبار سے ہے کہ اس کی کوئی ضد نہیں ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے:

تعرف الاشیاءُ باضدادھا۔

اس کلام کی توضیح یہ ہے کہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ جیسا کہ بزرگوں کے کلام سے یہ بات پہنچی ہے۔۔۔

مثال کے طور پر ہم روشنی کو زمین اور آسمان پر دیکھتے ہیں۔ جب روشنی روئے زمین سے زائل ہو جاتی ہے اور تاریکی چھا جاتی ہے تو اس وقت ہم سمجھتے اور فیصلہ کرتے ہیں کہ روشنی زمین کے علاوہ کوئی اور چیز تھی۔ لیکن اگر زمین ہر وقت روشن رہتی اور روشنی ہرگز اس سے الگ نہ ہوتی تو ہم اس طرح سمجھتے کہ روشنی کوئی الگ چیز نہیں ہے بلکہ ہم

Marfat.com

خیال کریں گے کہ زمین اور روشنی اسی طرح ہوتی ہیں۔ پس چونکہ واجب الوجود ہمیشہ باقی اور موجود ہے اور اس کی مقدس ذات کو فنا عارض نہیں ہوتی۔ نظام الٰہی اسی وجہ سے قائم ہے کہ اس کی ذات کو نیستی عارض نہیں ہوتی۔ اس وجہ سے وہ بعض ناقص عقلوں پر مخفی رہتا ہے اور اگر نعوذ باللہ اس کی مقدس ذات کے لیے فنا جائز ہوتی، تو اس کا وجود ہر شخص کو معلوم ہو جاتا اس لیے کہ اس کی ذات اقدس پر فنا عارض ہوتے ہی عالم کا رشتہ ٹوٹ جاتا اور ایک ہی مرتبہ تمام دُنیا فنا ہو جاتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض ناقص عقلوں پر وہ اس لیے مخفی ہے کیونکہ اس کی کوئی ضد نہیں ہے۔

نیز بعض محققین نے کہا ہے کہ واجب الوجود کا خفا عقلوں کے نقص اور اس کے زیادہ ظہور کی وجہ سے ہے۔ بعض دُعاؤں میں وارد ہوا ہے:

یا خفیاً من فرط الظهور۔

چنانچہ سید نعمت اللہ جزائری نے کتاب ''انوار نعمانیہ'' میں دُعا کی اس عبارت کو نقل کیا ہے، لیکن اس کا کوئی (وضاحتی) بیان نہیں فرمایا ہے۔ اس کلام کی توضیح کہ واجب الوجود کا خفا فرط ظہور سے ہے، یہ ہے کہ اس کے بہت ظہور سے مراد یہ ہے کہ ہر چیز جو خدا کے علاوہ ہے، اس کی ذات اور اس کی صفات دلالت کرتی ہیں کہ وہ چیز موجود ہے اور کوئی دوسری چیز اس کے وجود پر دلالت نہیں کرتی۔ مثلاً ہم زید کے حرکت کرنے اور بات کرنے سے سمجھ جاتے ہیں کہ وہ زندہ اور موجود ہے اور باقی تمام چیزوں سے نہیں سمجھتے کہ وہ زندہ اور موجود ہے، لیکن عالم میں تمام موجودات اور ان کی صفات واجب الوجود پر (ہر ایک) علیٰحدہ علیٰحدہ دلالت کرتی ہے۔ اس میں کوئی شک

Marfat.com

وشبہ نہیں ہے کہ جس چیز کے وجود پر جتنی زیادہ دلیلیں ہوتی ہیں، اس کا وجود اتنا ہی زیادہ ظاہر اور روشن ہوتا ہے۔ لہٰذا واجب الوجود کا وجود کہ تمام آسمان، تمام زمین، نباتات، حیوانات، ہوا، بارش، درختوں کا سبز اور خشک ہونا، پھولوں کی اقسام، دن اور رات کا اختلاف، آفتاب عالم افروز کی گردش، علوی اور سفلی کواکب کی گردش اور بدری اشکال کا حدوث اور ان کے علاوہ۔۔۔ ہر ایک ان میں سے اس کے مقدس وجود پر جداگانہ دلالت کرتا ہے۔ وہ ہر چیز سے زیادہ ظاہر اور روشن ہے، لیکن بعض عقلیں ناقص ہیں اور اس کے ظہور کی شدت ان ناقص عقلوں کو حیران کر دیتی ہے۔ اس وجہ سے اُس کا مقدس وجود ان پر مخفی رہتا ہے۔ جس طرح چمگادڑ کی آنکھ دن کے وقت آفتاب کے شدت ظہور کی وجہ سے کوئی چیز نہیں دیکھتی لیکن رات کے وقت جب تاریکی پھیل جاتی ہے، تو وہ چیزوں کو دیکھتی ہے۔

پس جب تو نے جان لیا کہ واجب الوجود کا خفا ان دو امروں سے ہے: ایک یہ کہ اس کی کوئی ضد نہیں، دوسرے لوگوں کی ناقص عقلیں اور اس کے مقدس وجود کا فرطِ ظہور۔ لہٰذا ہم چند دلیلوں کا ذکر کرنا چاہتے ہیں تا کہ یہ خفا ناقص اور عاجز عقلوں سے ہٹ جائے۔ اس ضمن میں پہلے چند عقلی دلائل بیان کیے جاتے ہیں پھر نقلی دلائل کا ذکر آئے گا۔

پہلی دلیل

تمام فرقوں اور جماعتوں کے لوگ جب کسی جائے ہلاکت میں مبتلا ہوتے ہیں یا کسی گرداب میں پھنستے ہیں اس طرح کہ وہ مجبور اور لاچار ہو جاتے ہیں۔ ان کا ہاتھ تمام اسباب و وسائل سے کوتاہ ہو جاتا ہے مثلاً ایسا شخص جو دریا میں غرق ہو جائے

Marfat.com

اور کوئی دوسری کشتی بھی وہاں نہ ہو کہ وہ اس میں داخل ہو جائے اور کوئی پیراک بھی موجود نہ ہو جو اس کو نجات دلائے۔ یا وہ شخص جو بیابان میں راستہ گم کردے اور کوئی اس کی فریاد کو پہنچنے والا نہ ہو تو اس صورت میں بغیر فکر واختیار بلکہ ازروئے مجبوری اس کی پناہ ڈھونڈتے ہیں جو ان کا خالق ہے۔ اس مطلب کی تحقیق یہ ہے کہ شرع، عقل، برھان اور نقل کی تائید کے اتفاق سے ذات الٰہی اس سے برتر وبالا ہے اور حقیقت واجب اس سے ارفع واعلیٰ ہے کہ کوئی اُسے مطلقاً پانے کا دعویٰ کرسکے، جیسا کہ تفصیل انشاء اللہ بعد میں بیان کی جائے گی بلکہ خالق کے وجود اور ھستی میں حکماء اور علماء کی معرفت اور اس کی صفات کے اعتراف کی انتہا تو یہ ہے:

دور بینان بارگاہِ الست
بیش ازین پی نبردہ اند کہ ہست

چونکہ خالق اور مخلوق، مالک اور مملوک کے درمیان بے انتہا رحمت کے فیضان کا ایک خاص تعلق ہوتا ہے جس کی حقیقت کو بیان نہیں کیا جاسکتا۔ اس بناء پر جب ان کا ہاتھ تمام اسباب ووسائل اور علائق وامور سے کوتاہ ہو جاتا ہے اور تمام امیدوں سے نا اُمید ہو جاتے ہیں تو وہ فکر وتامل کے بغیر بے اختیار خالق حقیقی اور اپنے اصل مسبب الاسباب کی پناہ ڈھونڈتے ہیں۔ یہ ان کی فطری توجہ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس میں سوچ اور تکلف کو دخل نہیں ہوتا۔ اس وجہ سے اس وقت جو دعا وہ کرتے ہیں مستجاب ہوتی ہے، کیونکہ اس وقت ان کو خدا کی معرفت حاصل ہو چکی ہوتی ہے۔ وہ یقین کے مرتبے پر فائز ہو چکے ہوتے ہیں اور یقین کے ساتھ معرفت دعا کی قبولیت کا

Marfat.com

سبب بنتی ہے۔اس بات کا علم ہر شخص کو ہے جیسا کہ قرآن مجید اور احادیث میں وارد ہے کہ خدا کو پہچاننا فطری ہے اور یہ دلیل کی احتیاج نہیں رکھتا۔یعنی جب انسانوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جاتا ہے اور وہ تعصب اور جاہلیت اور ماں باپ کی تقلید کو چھوڑ دیتے ہیں تو وہ دلیل سے قطع نظر،اپنے خالق کو پہچان لیتے ہیں اور اس کے وجود اور ہستی کا سراغ لگا لیتے ہیں۔حق تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:۔

فطرة الله التی فطر الناس علیها (الروم:۳۰)

"یعنی دین حق خدا کی فطرت ہے جس پر انسانوں کو پیدا کیا گیا ہے"۔

اسی وجہ سے بعض محققین نے کہا ہے کہ کفار اور بت پرست اگرچہ ظاہر میں خالق اور صانع کے منکر ہیں لیکن باطن میں اس کے وجود اور ہستی کا اقرار رکھتے ہیں جس طرح خداتعالیٰ خود قرآن مجید میں فرماتا ہے:۔

ولئن سألتهم من خلق السمٰوٰت والارض لیقولن الله۔ (لقمان:۲۵)

"یعنی اگر آپ کافروں سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور کہیں گے کہ ان کو خدا نے پیدا کیا ہے"۔

اسی وجہ سے پیغمبر انسانوں کو توحید،توحید پرستی اور کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ کا حکم دیتے تھے نہ کہ صانع کے اقرار کرنے کا حکم۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم کے صانع کا وجود بدیہی ہے اور تمام عقول کو اس پر پیدا کیا گیا ہے اور ان کی یہ فطرت ہے۔جونہی انسان شعور کی حد کو پہنچتا ہے تو وہ جان لیتا ہے کہ اس کا ایک خالق ہے اور جو شخص،خواہ

Marfat.com

جاہل ہو یا عالم، اپنی حالت میں غور و فکر کرتا ہے، تو وہ جان لیتا ہے کہ اس نے خدا کو دلائل کی رُو سے نہیں پہچانا ہے۔ بلکہ بچپن ہی سے اس کو خدا کی معرفت کی روزی دی گئی ہے۔ اس پر یہ امر گواہ ہے کہ تمام مخلوقات مجبوری کی حالت میں اپنے صانع کی پناہ ڈھونڈتی ہیں جیسا کہ ہم نے (پہلے) بیان کیا ہے۔

ارسطو نے جو کتب خدا کی معرفت میں لکھی ہیں ان میں سے بعض میں اس نے کہا ہے کہ جب انسانی نفس اپنے آپ کو تمام علائق سے خالی کر لیتا ہے اور غیروں سے ہاتھ کھینچ لیتا ہے تو وہ بغیر تامل اس کی طرف مائل ہو جاتا ہے جو اس کا خالق اور صانع ہے۔ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں عرض کیا:

> یاابن رسول اللہ دلنی علی اللہ ما ھو، فقد اکثر علی مجادلون وحیرونی۔ فقال لہ یا عبد اللہ ھل رکبت سفینة قط؟ قال: نعم۔ قال: فھل کسرت بك حیث لا سفینة تنجیك ولا سباحة تغنیك۔ قال: نعم۔ قال: فھل تعلق قلبك ھناك أن شیئاً من الاشیاء قادر علی ان یخلصك من ورطتك ، قال: نعم۔ قال: فذلك الشیء ھو اللہ القادر علی الانجاء حیث لا منجی وعلی الاغاثة حیث لا مغیث۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں عرض

Marfat.com

کیا کہ اے فرزند رسول ﷺ: میری خدا کی جانب راہنمائی کیجئے کیونکہ جھگڑنے والوں نے میرے ساتھ بہت جھگڑا کیا ہے اور انہوں نے مجھے حیران کر دیا ہے۔ آپؑ نے فرمایا: کیا تو کبھی کشتی پر سوار ہوا ہے؟ اس نے عرض کیا: ہاں آپؑ نے فرمایا کیا تیری کشتی ایسے وقت میں ٹوٹ گئی جب کہ کوئی دوسری کشتی بھی نہ تھی جو تجھے نجات دے اور وہاں کوئی پیراک نہ تھا جو تیری فریاد کو پہنچے۔ اس نے عرض کیا: ہاں۔ آپؑ نے فرمایا: کیا اس حالت میں تیرے دل میں یہ بات آئی کہ کوئی چیز ہے جو تجھے اس گرداب سے نجات دینے کی قدرت رکھتی ہے۔ اس نے اثبات میں جواب دیا۔ آپؑ نے فرمایا کہ وہ چیز جو تو نے تصور کی کہ وہ تجھے نجات دینے والی ہے وہ خدا ہے جو تجھے اس حالت میں نجات دینے پر قادر ہے جب کوئی نجات دینے والا نہ ہو اور اس جگہ تیرا فریادرس ہونے پر قادر ہے جس جگہ کوئی فریادرس نہ ہو۔

اس مقام پر دھری مذہب کے رد میں اشارہ ہے جو دھر کو اشیاء کا پیدا کرنے والا جانتے ہیں۔ اس مذہب کی تفصیل کا ذکر ہم انشاء اللہ بعد میں کریں گے اور اسی طرح دھریہ کے مثل (مذاہب) کا رد ہے مثلاً زنادقہ جو صانع کا انکار کرتے ہیں اور حکمائے طبیعیین کا گروہ جو ممکنات کی طبیعت کو اس کا مؤثر جانتے ہیں۔

جان لے کہ اس آیت مبارک

یا یھا الذین اٰمنوا اٰمِنوا (النساء:۱۳۶)

سے بھی مستفاد ہوتا ہے کہ خدا کی معرفت فطری ہے کیونکہ پہلا اٰمنوا جو میم کی فتح (زبر) کے ساتھ ہے، ایمان تکوینی اور فطری کی طرف اشارہ ہے اور دوسرا اٰمنوا جو میم کی

Marfat.com

کسرہ (زیر) کے ساتھ ہے، ایمان اختیاری اور تکلیف ظاہری کی طرف اشارہ ہے۔

جان لے کہ جو ہم نے کہا کہ انسان جب کسی جائے ہلاکت میں پڑتے ہیں اور ان کا ہاتھ اسباب و وسائل سے کوتاہ ہو جاتا ہے، تو وہ تامل کے بغیر اپنے خالق اور صانع کی پناہ ڈھونڈتے ہیں۔ اگر کسی نے تواریخ اور اخبار کی کتابوں میں تھوڑی سی تلاش کی ہو تو وہ جان لیتا ہے کہ بہت دفعہ اس طرح اتفاق ہوا کہ انسانوں نے اچانک خداوند عالم کی پناہ لی ہے اور اچانک ان کی دُعائیں قبول ہوئی ہیں اور اُس نے انسانوں کو اس گرداب سے نجات دی ہے۔

ایک بغدادی مرد صالح کی حکایت

صاحب ''نورالعین'' نے ذکر کیا ہے کہ کچھ لوگوں نے مجھ سے بیان کیا کہ بغداد کا رہنے والا ایک نیک شخص (۱۱۳۶ھ میں، نیز وہ کہتے تھے کہ وہ ابھی تک زندہ ہے) نے کہا کہ ہم ایک سفر پر روانہ ہوئے۔ اس سفر میں ہم کشتی پر سوار تھے۔ اتفاق سے ہماری کشتی ٹوٹ گئی اور جو کچھ اس میں تھا غرق ہو گیا۔ میں ایک تختے کے ساتھ چمٹ کر دریا کی موجوں پر حرکت کرتا رہا۔ یہاں تک کہ کافی دیر کے بعد میں نے اپنے آپ کو ایک جزیرے کے ساحل پر دیکھا۔ بڑی تکلیف کے ساتھ میں پانی سے باہر آ کر جزیرے میں داخل ہوا، چونکہ میں بہت بھوکا اور پیاسا تھا، اس لیے اس کے اطراف میں گھوما۔ زندگی سے مایوس ہونے کے بعد ایک صحرا میں پہنچ کر میں نے اپنے سامنے ایک پہاڑ دیکھا۔ جب میں اس کے قریب پہنچا تو میں نے دیکھا کہ اس پہاڑ میں ایک دریا ہے اور اس کی ایک طرف صحرا ہے۔ (اسی دوران) عطر کی مانند پھلوں کی

Marfat.com

خوشبو میری ناک میں آنے لگی۔ یہ خوشبو میری خوشی اور آرزو کی زیادتی کا باعث بنی۔ میں تھوڑا سا اس پہاڑ کے اوپر چڑھا اور اس پہاڑ کے وسط میں ایک ایسے مقام پر پہنچ گیا جو تقریباً بیس گز یا اس سے بھی زیادہ بالکل ہموار اور صاف ایسا پتھر تھا جس کو ہاتھ اور پاؤں سے پکڑنا ممکن نہ تھا۔ اس حالت میں میں حیران اور متفکر تھا کہ میں نے اچانک ایک بڑا اور قوی سانپ دیکھا جو اس صاف پتھر پر سے حرکت کرتے ہوئے میری طرف آ رہا ہے۔ میں بھاگا، چونکہ اس وقت میرا ہاتھ تمام اسباب و وسائل سے کوتاہ تھا اور میں کوئی دوسرا چارہ بھی نہ رکھتا تھا، اس لیے میں نے دربارِ الٰہی میں تضرع و استغاثہ شروع کر دیا اور عرض کیا: اے پروردگار! جس طرح تو نے مجھے غرق ہونے سے نجات دی اسی طرح اس عظیم امتحان سے بھی نجات دے۔ میں نے دیکھا کہ اچانک ایک جانور بقدر خرگوش پہاڑ کے اوپر کے حصے سے سانپ کے طرف بھاگتا ہوا آیا اور بڑی جلدی کے ساتھ سانپ کی دُم سے اوپر چڑھا۔ جب اس سانپ کا سر صاف اور ہموار پتھر کے نیچے اور اس کی دُم اس پتھر کے اوپر تھی تو وہ اس سانپ کے سر کے مغز پر پہنچا اور اپنا نیش (ڈنک) انگلی کے برابر منہ سے باہر نکال کر اس سانپ کے سر پر نیچے کر دیا۔ اس نے دوسری بار بھی اسی طرح کیا پھر وہ جس راہ سے آیا تھا، لوٹ گیا۔ اس سانپ نے پھر اپنی جگہ سے حرکت نہ کی اور اسی مقام پر اسی حالت میں مر گیا۔ چونکہ موسم بہت زیادہ گرم تھا اس لیے تھوڑی دیر کے بعد اتنی زیادہ عفونت پھیل گئی کہ قریب تھا کہ میں ہلاک ہو جاؤں۔ اس کے بعد زرد پانی اور بہت سی کثافت اس سانپ سے دریا کی جانب روانہ ہوئی یہاں تک کہ اس کے تمام اجزاء الگ الگ بکھر گئے اور ہڈیوں کے

Marfat.com

علاوہ کوئی چیز باقی نہ رہی۔ جب میں اس کے قریب گیا، تو دیکھا کہ وہ ہڈیاں سیڑھی کی مانند زمین پر مستحکم ہوگئی ہیں اوران کے ذریعہ سے اوپر جانا ممکن تھا۔ میں نے سوچا کہ اگراسی جگہ ٹھہرا رہوں تو بھوک سے مر جاؤں گا لہٰذا میں ان ہڈیوں پر پاؤں رکھ کر پہاڑ سے اوپر گیا اوراس جگہ پہاڑ کی چوٹی کا رخ کیا۔ میں نے اپنے سامنے ایک نہایت سرسبز وشاداب باغ دیکھا۔ جب باغ میں داخل ہوا، تو میں نے دیکھا کہ وہاں بہت سے پھل دار درخت اُگے ہوئے ہیں اور وہاں ایک اونچی عمارت تعمیر کی ہوئی ہے جس کے وسط میں کمرے اور بالا خانے ہیں۔ پس میں نے تھوڑے سے پھل کھائے اور ایک بالا خانے میں چھپ گیا اور باغ کو دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے دیکھا کہ چند سوار صحرا کے دامن سے ظاہر ہوئے۔ وہ باغ میں داخل ہوگئے۔ ان میں سے ایک آگے آگے نہایت رُعب وجلال کے ساتھ چل رہا تھا۔ اس کے بعد وہ پیادہ ہوگئے اورانہوں نے اپنے گھوڑوں کو چھوڑ دیا۔ ان کا بزرگ صدر مجلس میں بیٹھ گیا۔ دوسرے بھی کمال ادب کے ساتھ اس کی خدمت میں بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد دستر خوان بچھایا گیا اور چاشت (پہر دن چڑھے کا کھانا) حاضر کیا گیا۔ اُس بزرگ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ فلاں بالا خانے میں ہمارا ایک مہمان ہے، اس کو چاشت کے لیے بُلانا چاہیے۔ لہٰذا وہ لوگ مجھے بُلانے کے لیے آئے۔ میں ڈرا اور کہا کہ مجھے آپ معاف رکھیں۔ جب انہوں نے جاکر عرض کیا تو انہوں (بزرگ) نے فرمایا کہ اس کے کھانے کو اسی جگہ لے جاؤ تاکہ وہ کھالے۔ جب کھانے سے فارغ ہو گئے تو اُنہوں نے مجھے بلایا اور میری احوال پُرسی کی۔ جب انہوں نے میری کہانی سُنی

Marfat.com

تو فرمایا کہ کیا تُو اپنے اہل وعیال کے پاس جانا چاہتا ہے۔ میں نے اثبات میں جواب دیا۔ پس اُنہوں نے ایک شخص سے فرمایا کہ اس کو اس کے اہل وعیال کے پاس پہنچا دے۔ میں اس شخص کے ہمراہ باہر آیا۔ جب میں تھوڑی راہ چلا تو اُس نے کہا دیکھ یہ حصارِ بغداد ہے۔ جب میں نے نظر کی تو حصارِ بغداد کو دیکھا اور اس شخص کو میں نے دوبارہ نہ دیکھا۔ اس وقت میں متنبہ ہوا اور سمجھا کہ وہ بزرگوار میرے مولا حضرت صاحب الزمان عجل اللہ فرجہ، تھے کہ جن کی خدمت میں حاضر ہونے کا مجھے شرف حاصل ہوا۔ میں اپنی بدبختی کی وجہ سے ان کی خدمت کرنے سے محروم رہا۔ میں کمال حسرت اور ندامت کے ساتھ اپنے شہر اور گھر میں داخل ہوا۔

اس قسم کی بہت سی حکایتیں ہیں۔ یہ بھی جان لے کہ جو کچھ مذکور ہوا، یہ صرف انسان کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ تمام حیوان جب کسی مشکل میں گرفتار ہوتے ہیں تو وہ خالق عالم کی درگاہ میں تضرع اور زاری کرتے ہیں اور اس سے اس جائے ہلاکت سے نجات طلب کرتے ہیں، جس طرح صاحب رسالہ اخوان الصفا نے نقل کیا ہے کہ کئی بار لوگوں نے دیکھا ہے کہ خشک سالوں میں حیوانات نے صحراؤں میں سر آسمان کی جانب کیے ہیں اور درگاہِ الٰہی سے بارش کے لیے استغاثہ کیا ہے اور بارش ہوئی ہے۔

ایک پیاسے ہرن کی حکایت

فخرالدین رازی نے نقل کیا ہے کہ ایک سال بارش نہ ہوئی اور سخت قحط رونما ہوا۔ انسان بارش کے لیے بہت دُعا کرتے تھے، لیکن ان کی دُعا قبول نہ ہوتی تھی۔

Marfat.com

ایک شکاری نقل کرتا ہے کہ اس زمانے میں میں صحرا میں گیا ہوا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک پیاسا ہرن ہر جانب بھاگ رہا ہے یہاں تک کہ وہ ایک گڑھے کے کنارے پر پہنچا۔ اس نے اپنے آپ کو گڑھے میں گرا دیا کہ شاید وہاں پانی ہو۔ جب اس نے دیکھا کہ وہاں پانی نہیں ہے تو لوٹ گیا اور حیران ہوا۔ اس نے چند مرتبہ آسمان کی جانب نظر کی اور اپنے سر کو حرکت دی۔ اچانک ایک بادل ظاہر ہوا اور برسنا شروع ہو گیا۔ جب بارش ہوئی تو وہ گڑھا پانی سے بھر گیا۔ اس ہرن نے پانی پیا اور چلا گیا۔

ایک پہاڑی گائے کی حکایت

نیز ایک شکاری سے نقل کیا گیا ہے کہ اس نے کہا کہ میں نے ایک پہاڑی گائے کو دیکھا جو اپنے بچے کو دودھ پلا رہی تھی۔ جب میں اس کی جانب متوجہ ہوا، تو اس نے بچے کو چھوڑ دیا اور خود بھاگ گئی۔ میں نے اس بچے کو پکڑ لیا۔ جب اُس گائے نے (میری طرف) نظر کی، تو اپنے بچے کو میرے ہاتھ میں دیکھا۔ وہ مضطرب ہو گئی۔ اُس نے اپنا چہرہ آسمان کی طرف کیا گویا کہ وہ خداوندِ عالم سے استغاثہ کر رہی ہے۔ اچانک ایک گڑھا میرے سامنے آ گیا اور میں اس میں گر گیا۔ اس طرح بچہ میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اس کی ماں آئی اور اسے لے گئی۔

ایک عظیم الشان فاضل کی عجیب حکایت

ایک بہت بڑے فاضل نے اپنی ایک کتاب میں لکھا کہ میں نے بعض ثقہ لوگوں سے سُنا کہ ایک عظیم الشان فاضل، جس نے کسی اُستاد سے نہ پڑھا تھا، سے ہم نے پوچھا کہ آپ نے علم کا یہ مرتبہ باوجود درس نہ پڑھنے کے، کہاں سے حاصل کیا۔

Marfat.com

انہوں نے جواب میں کہا کہ میں اصفہان میں تحصیل علوم کے لیے اس سال گیا جب وہاں سخت قحط پیدا ہو چکا تھا۔ ایک دن میں تخت فولاد کے قبرستان میں گیا۔ میں نے وہاں ایک کتیا کو دیکھا۔ جب اس نے مجھے دیکھا، تو اس نے حرکت کرنا چاہی لیکن بھوک کی وجہ سے حرکت کرنے پر قادر نہ تھی۔ میرے پاس تھوڑی سی رقم تھی۔ میں بازار گیا اور تھوڑا سا کھانا خریدا اور اس کتیا کے لیے لایا۔ اُس نے اس کھانے کو کھایا اور اپنے سر کو آسمان کی جانب کیا اور تضرع و استغاثہ کیا۔ اچانک تمام علوم جو میں نہ جانتا تھا، مجھ پر اس طرح فائض ہو گئے کہ میں کسی علم میں کسی معلم کا محتاج نہ رہا۔

ملّا صالح مازندرانی کا واقعہ

مؤلف کہتا ہے کہ میں نے خود ایک فاضل سے سُنا کہ اس نے فرمایا کہ یہ شخص فاضل مرحوم ملّا صالح مازندرانی اعلی اللہ مقامہ، تھے جو ایک مدّت تک اصفہان میں درس پڑھتے رہے لیکن ان کو حافظہ کی کمی کی شدّت کی وجہ سے کچھ حاصل نہ ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ اس جگہ قحط رونما ہو گیا۔ ایک دن اُس مرحوم نے ایک کتاب فروخت کی۔ اس رقم سے گوسفند (بھیڑ، بکری) کا ایک پھیپھڑا اور جگر خریدا اور اس کو اُٹھا کر تخت فولاد گئے تا کہ اس کے کباب بنا کر کھائیں کہ انہوں نے اس کتیا کو اس حالت میں دیکھا، اس کے چند بچے تھے جو بھوک کی شدت سے نیم مردہ ہو چکے تھے۔ اس مرحوم کا دل جلا اور خود سے کہا کہ مخلوق خدا پر رحم کرنا اچھا ہے۔ لہٰذا انہوں نے پھیپھڑے اور جگر کو چھوٹا چھوٹا کر کے اس کتیا کے منہ میں ڈال دیا۔ وہ تھوڑا تھوڑا کھانے سے اپنی اصل حالت پر آ گئی اور اس کے پستان میں دودھ اُتر آیا۔ (میں) ان بچوں کو اس کے قریب لایا

Marfat.com

تاکہ وہ دودھ پی لیں۔ اُس نے غذا کھانے کے بعد سر آسمان کی جانب کیا اور اس طرح تضرع کیا کہ اس کی آنکھ سے آنسو رواں ہو گئے۔ اچانک اس مرحوم کے جسم پر رعشہ طاری ہوا اور اُسی وقت اس مرحوم کے لیے تمام علوم منکشف ہو گئے۔

سبکتگین کا واقعہ

کتاب ''زینت المجالس'' میں مذکور ہے کہ شروع میں ناصر الدولہ سبکتگین خراسان کے امیر الامراء اُلپتگین کا غلام تھا اور وہ اس کے اصطبل میں موجود ایک گھوڑے سے زیادہ مقام نہ رکھتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ نیشاپور سے شکار کے ارادہ سے باہر آیا۔ اس نے ایک ہرنی کو دیکھا جو اپنے بچوں کے ساتھ جا رہی تھی۔ سبکتگین نے گھوڑا اس کے پیچھے دوڑایا۔ ہرنی نیزے کی انی سے بچ نکلی۔ سبکتگین نے اس کے بچے کو پکڑ لیا اور اس کو حنائے زین (زین کے آگے کی بلندی) پر رکھ کر روانہ ہوا۔ جب چند قدم چلا، تو اس نے پیچھے اس ہرنی کو دیکھا جو مضطرب و مضطر چلی آ رہی تھی۔ سبکتگین کو اس کی بے چارگی پر رحم آ گیا۔ اس نے فوراً ہرنی کے بچے کو آزاد کر دیا۔ ہرنی نے اپنے بچے کو آگے کیا اور بڑی خوشی کے ساتھ روانہ ہو گئی۔ وہ ہر لحظہ اپنا چہرہ آسمان کی جانب کرتی تھی اور سبکتگین کی جانب نظر کرتی تھی۔ چونکہ سبکتگین کے پاس اس رات کوئی چیز کھانے کے لیے نہ تھی، اس لیے وہ بھوکا ہی سو گیا۔ اس نے حضرت رسول خدا ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں: اے سبکتگین! اس رحم کی وجہ سے جو تو نے اللہ کی رضا کے لیے اس ضعیف مخلوق پر کیا، خداوند عالم کے نزدیک تو نے بڑی منزلت پائی۔ تجھے اللہ تعالیٰ ایک بڑی بادشاہت دے گا۔ تجھے چاہیے کہ تو اُسی طریقے سے اللہ کے بندوں پر رحم اور شفقت کرے۔

Marfat.com

بعض کتابوں میں اس حکایت کو اس طرح نقل کیا گیا ہے کہ جس وقت سبکتگین اس شکار کے لیے گیا اور اس طرح کا اتفاق ہوا تو اس وقت وہ بادشاہ تھا اور جس وقت اس نے ہرنی کے بچے کو رضائے الٰہی کے لیے آزاد کیا تو اس نے دیکھا کہ وہ ہرنی بھاگتی ہوئی اپنے بچے کے پاس آئی۔ وہ اپنے بچے کو زبان سے چاٹتی تھی اور اپنے سینے کو اس کے چہرے پر ملتی تھی۔ اس نے مُنہ آسمان کی جانب کیا اور تضرع کیا۔ اس نے اس وقت ایک آواز سُنی کہ اے سبکتگین! اس نیکی کی وجہ سے جو تو نے ایک بے زبان کے حق میں کی، ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ تیری نسل سے چالیس عادل بادشاہ روئے زمین پر ہوں گے، پہلا فرزند جو اس سے ہوا وہ سلطان محمود تھا۔

پس جو ہم نے بیان کیا، اس سے معلوم ہوا کہ صانع عالم کا وجود ظاہر اور واضح ہے جو کہ بے زبان حیوانوں پر بھی مخفی نہیں ہے۔ اس قسم کی بہت سی حکایتیں ہیں۔ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے ہدایت کے چاہنے والوں کے لیے کافی ہے۔ جان لے کہ یہ راہ جس کے متعلق ہم نے دلیل بیان کی، واجب الوجود کے علم کے لیے سب سے زیادہ واضح ہے۔ چنانچہ خداتعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ کون ہے جو لاچاروں کو جواب دیتا ہے جس وقت وہ اس کو بُلاتے ہیں اور ان سے تکلیفوں کو دُور کرتا ہے۔ (النمل ۶۲:۲۷) کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو ہمیشہ خدا سے اس قسم کا معاملہ نہ رکھتا ہو۔ لہٰذا ایسا شخص دلیل کی کیا احتیاج رکھتا ہے۔۔۔ وہ نیک اور خداشناس شخص جو ہمیشہ اپنے خدا کے ساتھ مکالمہ اور مناجات میں رہتا ہے اور ہمیشہ اس سے لطف واحسان پاتا ہے اور روز بروز عبادت کی کثرت کی وجہ سے اس کے ایمان میں زیادتی ہوتی رہتی ہے۔ اس

Marfat.com

کے نزدیک کوئی چیز واجب الوجود کے وجود سے زیادہ ظاہر نہیں ہے۔ (تعجب ہے کہ) ایک فلسفی اس سے کہتا ہے کہ فلسفہ اور ''دور وتسلسل'' کے بطلان کی دلیل سے خدا کو پہچان، ورنہ تیرا ایمان درست نہیں ہے۔

دوسری دلیل

دوسری دلیل وہ ہے جو بہمن یار سے (بیان کی گئی) ہے۔ یہ شیخ بوعلی سینا کا شاگرد رشید تھا۔ دلیل یہ ہے کہ اگر معاذ اللہ واجب الوجود نہ ہوگا تو اس سے لازم آتا ہے کہ کوئی خلق اور ایجاد خارج میں متحقق نہ ہوگی کیونکہ ممکن موجود ہونے میں خود دوسرے کا محتاج ہے۔ اس صورت میں وہ دوسرے کو کیسے پیدا کر سکتا ہے۔ جس کی خود ذات نہ ہو، وہ دوسرے کو ہستی کیسے عطا کر سکتا ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بے شمار موجودات خلق ہوئی ہیں اور ہر لحہ ان گنت موجودات اور مخلوقات خلعت ہستی سے سرفراز ہوتی ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ واجب الوجود ہو جس کی ذات سے ہر موجود کو خلعت ہستی سے سرفرازی حاصل ہو اور ہر وجود کے فیض کا فیضان اس سے ہو۔

تیسری دلیل

وہ معجزات اور کرامات جو پیغمبروں اور اوصیاء سے ظاہر ہوئی ہیں۔ ان کی وجہ سے عقل فیصلہ کرتی ہے کہ یہ عجیب امور جو پیغمبروں اور اوصیاء سے لوگوں نے مشاہدہ کیے ہیں مثلاً عصا کا سانپ بننا اور دریا کا شگافتہ کرنا، اندھوں کی آنکھوں کو روشن کرنا، مردوں کا زندہ کرنا، چاند کا دو ٹکڑے کرنا، آفتاب کا لوٹانا، سنگریزوں کا تسبیح کرنا، انگلیوں یا چھوٹے پتھر سے پانی کا جاری کرنا، وغیرہ جو ان سے صادر ہوئے

Marfat.com

ہیں، یہ سب ایسے امور ہیں جو بشری قوت سے باہر ہیں۔ ان کا صدور انسان سے نہیں ہوسکتا، لہٰذا ایک ایسا صانع حکیم ہونا چاہیے کہ جس کی حکمت اور قدرت کی وجہ سے یہ امور صادر ہوں جو ان کو پیغمبروں کی صداقت کے لیے ان کے ہاتھوں پر جاری کرے۔ بلکہ اگر ہر شخص اپنے حالات میں تامل کرے تو وہ یقین سے جان لیتا ہے کہ اُس کے لیے چند امور ظاہر ہوئے ہیں جو کہ اس کی قوت میں نہ تھے اور کسی دوسرے کی جانب سے ان کی نسبت اس کی جانب واقع ہوئی ہے۔ بلکہ اگر کوئی تامل کرے، تو تمام عالم کے امور عجیب وغریب ہیں اور تمام کمال غرابت (انوکھا پن) میں ہیں، لیکن چونکہ ہم ان میں سے اکثر کو ہمیشہ مدت مدید سے دیکھتے رہے ہیں یہاں تک کہ ہم ان کے عادی ہوگئے ہیں۔ اس وجہ سے ہم چنداں تعجب نہیں کرتے اور جو نئی عجیب چیز ہم مشاہدہ کرتے ہیں اُس سے ہم تعجب کرتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ انسان کی خلقت، درختوں کا سبز ہونا، اور ان پر مختلف قسموں کے پھلوں کا آنا وغیرہ باوجودیکہ یہ غرابت رکھتے ہیں چونکہ ہمیں ان کی عادت ہوگئی ہے، اس لیے ہم زیادہ تعجب نہیں کرتے۔ اور ہم مُردہ کے زندہ ہوجانے سے تعجب کرتے ہیں حالانکہ اوّل میں تعجب زیادہ ہے۔ اگر کسی شخص کی آنکھ نور بصیرت سے روشن ہو تو چند امور اس کے دل پر وارد ہوتے ہیں کہ وہ جان لیتا ہے کہ یہ دوسرے کی جانب سے ہیں۔ کون سا دل ہے جو اس کی محبت کے اسرار کے کسی ایک سر سے مسرور نہ ہو اور وہ کون سی رُوح ہے جو اس کی ہدایت کے نور سے منور نہ ہو۔ کون سا دل ہے جو اس کے پنہانی راز کا خزانہ نہ ہو اور کون سا سینہ ہے جو اس کی پنہائی رمز کا دفینہ نہ ہو۔ بلکہ اس کے انوار قدسیہ سے بے بہرہ دل اثرِ معنیٰ سے بے

Marfat.com

نشان ہے۔اور جو سینہ اس کی محبت کی خوشبوؤں سے خالی ہے، وہ چمڑے کا ایک پرانا تھیلا ہے جو ہڈیوں سے پُر ہے۔اسی وجہ سے نقل کیا گیا ہے کہ جب رئیس الحکماء شیخ بوعلی سینا نے شیخ ابوسعید ابوالخیر سے پوچھا کہ آپ نے کس دلیل سے اپنے خدا کو پہچانا، تو انہوں نے جواب میں کہا کہ ان امور سے جو میرے دل پر وارد ہوتے ہیں اور میری زبان ان کو بیان کرنے سے عاجز ہے۔

چوتھی دلیل

چوتھی دلیل یہ ہے کہ یہ عجیب صنائع وبدائع، زمین، آسمان، آفتاب، چاند، ستارے، ہوائیں، بادل، پہاڑ، دریا، بدن، روح، نباتات، حیوانات، جمادات، وحشی جانوراور پرندوں کی خلقت، درختوں کا سبزاور سرخ ہونا، دن اور رات کا اختلاف، آفتاب عالم افروز کی گردش، کواکب علویہ اور سفلیہ کی گردش اوراشکال بدریہ کا حدوث بغیر صانع اور مُدبّر کے نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ ہر عقل مند آدمی جانتا ہے کہ ہرایک فعل ایک فاعل چاہتا ہے جس طرح اگر کوئی لباس دیکھے تو فیصلہ کرتا ہے کہ اسے کسی درزی نے سیا ہے۔اور جب کوئی مکان دیکھتا ہے تو وہ فیصلہ کرتا ہے کہ اسے کسی معمار نے بنایا ہےاور جب وہ کسی دروازہ کو دیکھتا ہے تو سمجھ جاتا ہے کہ اسے کسی بڑھئی نے بنایا ہے اور جب کسی کپڑے کو دیکھتا ہے تو جان لیتا ہے کہ اسے جولاہے نے بُنا ہے۔اسی طرح ہر عقلمند جو تھوڑا سا فکر و تامّل کرتا ہے ان مخلوقات میں جن کو ہم نے بیان کیا ہےاور عجیب وغریب صنعت میں جو کہ ان میں سے ہرایک میں استعمال کی گئی ہے تو وہ یقین کر لیتا ہے کہ یہ بغیر کسی صانع کے حاصل نہیں ہوتیں۔ بلکہ ان کا ایک صانع اور خالق ہے اور

Marfat.com

وہ (خالق) ان جیسا نہیں ہے، بلکہ عالم کے نباتات، حیوانات اور جمادات کا ہر ذرہ صانع جل شانہ پر ایک قاطع برہان اور ایک قاطع دلیل ہے۔

ہر گیاہے کہ از زمیں روید
وحدہ لا شریک لہ، گوید

''یعنی ہر وہ گھاس جو زمین سے اُگتی ہے وہ وحدہٗ لاشریک لہ، (وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں) کہتی ہے''۔ یہ ایک مختصر دلیل ہے جو اکثر انسانوں کے لیے کافی ہے اور ان کو یقین کا فائدہ دیتی ہے۔

ایک بڑھیا کی معرفت

منقول ہے کہ حضرت رسول خدا ﷺ نے ایک بڑھیا سے اس وقت پوچھا جب وہ چرخہ چلا رہی تھی۔ تو نے اپنے خدا کو کس طرح پہچانا ہے، کیا تو خدا کی قائل ہے؟ اس بڑھیا نے اچانک اپنا ہاتھ چرخے سے اُٹھالیا۔ وہ چرخہ ساکن ہوگیا۔ اس نے کچھ نہ کہا اور اپنے کام میں مشغول ہوگئی۔ اس سے اُس کی مراد یہ تھی کہ اس چرخے کو جب تک میں نہ پھیروں، یہ خود بخود حرکت نہیں کرتا۔ پس اتنی عظمت والا آسمان اور یہ ستارے جب تک انہیں کوئی چلانے والا نہ ہوگا، یہ از خود نہیں چلیں گے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ ایک خالق رکھتے ہیں جس نے ان کو خلق کیا ہے اور وہ ان کو اس طریق پر گردش دیتا ہے۔

پس آنحضرت ﷺ نے اصحاب سے فرمایا کہ اس عورت نے خدا کو خوب پہچانا ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ نے فرمایا:

علیکم بدین العجائز

Marfat.com

یعنی تمہیں ایسی بوڑھی عورتوں کے دین پر ہونا چاہیے۔

ایک اعرابی کی معرفت

منقول ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اعرابی سے پوچھا کہ تو نے خدا کے وجود کو کس طرح جانا؟۔ بدو نے جواب دیا:

البعرة تدل علی البعیر و آثار الاقدام تدل علی المسیر افسماء ذات ابراج وارض ذات فجاج لاتدل علی وجودا للطیف الخبیر۔

حاصل معنی یہ ہے کہ جب ہم راستے میں اونٹ کی مینگنیاں دیکھتے ہیں تو ہماری عقل فیصلہ کرتی ہے کوئی اونٹ یہاں سے گزرا ہے اور اگر ہم کسی کے نشان قدم دیکھتے ہیں، تو سمجھ لیتے ہیں کہ کوئی شخص یہاں سے گزرا ہے۔ پس یہ آسمان جس میں یہ سب برج اور درخشاں ستارے ہیں اور یہ زمین جو پہاڑوں کے اندر وسیع راستے رکھتی ہے کیا یہ سب کسی ایک خدا کے وجود پر دلالت نہیں کرتے جو اپنے بندوں پر مہربان ہے اور دیکھنے والا ہے اس کو جو ہو چکا ہے اور اس کو بھی جو آئندہ ہوگا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں اس اعرابی کے دین پر ہونا چاہیے۔

مرحوم سید نعمت اللہ جزائری اعلی اللہ مقامہ کتاب انوار نعمانیہ کے شروع میں اعرابی کی دلیل ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ جو کوئی اعرابی کی دلیل میں تامل کرتا ہے تو وہ یہ جان لیتا ہے کہ یہ صانع عالم کے اثبات پر زیادہ دلالت کرتی ہے ان دلائل کی دلالت سے جو شیخ بوعلی سینا نے کتاب شفا اور کتاب اشارات میں ذکر کیے ہیں۔ نیز یہ ان دلائل

Marfat.com

سے بھی زیادہ دلالت کرتی ہے جو خواجہ نصیرالدین طوسی طاب اللہ ثراہ نے کتاب قواعد اور کتاب تجرید العقائد میں بیان کیے ہیں ۔ کیونکہ ان کی زیادہ دلیلیں بنی ہیں۔ ''دور وتسلسل'' کے باطل ہونے پر اوران کے باطل ہونے میں بہت کلام کیا گیا ہے۔

مروی ہے کہ ایک دفعہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبرئیلؑ سے پوچھا کہ آفتاب کو زوال ہوا ہے یا نہیں۔انہوں نے جواب دیالا (نہیں) نعم (ہاں)۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کی حقیقت کے متعلق سوال کیا۔جبرئیل نے عرض کیا کہ میرے نہ کہنے کے وقت سے لے کرہاں کہنے کے وقت تک آفتاب پانچ سو سال کی راہ طے کرگیا۔

پس ہر وہ عقلمند جواجرام کواکب کی بزرگی اور عالم علوی کی تاثیرات میں سوچتا ہے اوران کی سرعت رفتار پر غور کرتا ہے،تو وہ یقین کرلیتا ہے کہ ان کا ایک خالق ہے اوران کا خالق جاننے والا اور حکمت والا ہے اور وہ قدیم ہے قدرت والا کہ اس نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت شاملہ سے افلاک کی گردش اور عناصر کا ایک دوسرے کے ساتھ انتظام کیا ہے۔

مرحوم ملا محمد باقر مجلسی اعلی اللہ مقامہ کتاب ''بحارالانوار'' میں فرماتے ہیں کہ میں نے بعض علمائے کلام سے سُنا کہ وہ فرماتے تھے کہ اگر کوئی آدمی صحرا میں پیدا ہو اور وہ کسی آدمی کو نہ دیکھے جو اس کو ہدایت سکھائے۔ جب وہ عقل ورشد کی حد کو پہنچے گا اور آسمان وزمین میں غور کرے گا تو وہ سمجھ لے گا کہ ان کا کوئی خالق اور صانع ہے۔

ایک دہری بادشاہ کا اعتراف

بعض معتبر کتابوں میں منقول ہے کہ ایک بادشاہ دھری مذہب کی طرف مائل تھا۔اس کا وزیر جو دلیل وبرھان قائم کرتا تھا وہ اس کو مانتا نہ تھا۔آخر کار وزیر نے ایک

Marfat.com

خوبصورت عمارت ایسے صحرا میں بنوائی جس میں کوئی عمارت نہ تھی اور وہاں بہت سے درخت بھی لگوائے۔ عمارت کے مکمل ہونے کے بعد وہ بادشاہ کو شکار کے بہانہ سے ادھر لے گیا۔ جب بادشاہ کی نظر خوبصورت عمارت، درختوں اور نہروں پر، جو بیابان میں تھیں، پڑی تو وہ حیران ہو گیا۔ اس نے وزیر سے پوچھا کہ اس عمارت کو اس بیابان میں کس نے بنایا اور کس وقت بنایا۔ وزیر نے جواب دیا کہ یہ خود بخود بن گئی ہے۔ بادشاہ نے اس پر سخت اعتراض کیا اور کہا کہ تو کیسی بات کر رہا ہے۔ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ عمارت بغیر بنانے والے کے بن جائے۔ وزیر نے جواب میں کہا کہ جب یہ حقیر عمارت بنانے والے کے بغیر عقل میں نہیں آسکتی، تو کیسے ہو سکتا ہے کہ آسمان، زمین، ستارے، عجیب قسم کی مخلوقات حیوانات کی مثل بالخصوص ان کی خوبصورت شکلیں کسی صانع اور خالق کے بغیر بن گئیں۔ پس بادشاہ نے سر تسلیم خم کر لیا اور دہری مذہب کو چھوڑ دیا۔

دہریوں کا اعتراف وجود خالق

نقل کیا گیا ہے کہ دہریوں کی ایک جماعت نے ایک عقلمند مرد مسلم کے قتل کا فیصلہ کیا تھا اور وہ اس کی بجا آوری پر کمر بستہ تھے۔ فیصلہ یہ تھا کہ پہلے اس سے جواب طلبی کریں اس کے بعد اس کو قتل کر دیں۔ ایک دفعہ انہوں نے اس مرد عاقل کو ایک مجلس میں پا لیا۔ وہ عقلمند مرد اپنی فراست کی وجہ سے ان کے مقصد کو پا گیا۔ اس نے ملائمت اور خوش زبانی سے پیش دستی کی اور کہنے لگا جب میں جوان تھا، تو سیاحت کا عادی تھا (ایک دفعہ) میرا گزر ایک ہولناک زمین پر ہوا۔ میں نے وہاں ایک نہایت عجیب وغریب

Marfat.com

امر کا مشاہدہ کیا۔ جب تک اسے کوئی دیکھ نہ لے، قبول نہ کرے۔ میں نے ایک بہت بڑی کشتی دیکھی جو نہایت مزین حالت میں زمین سے برآمد ہوئی اور فلک الافلاک کی مانند روئے زمین پر متحرک ہوگئی اور نہایت تیزی سے چلنے لگی۔ ایک مرتبہ اس جماعت نے قہقہہ لگایا اور کہنے لگی۔ اتنا بڑا جھوٹ آج تک کسی نے نہیں بولا۔ یہ بات معلوم ہوگئی کہ تو دیوانہ ہوگیا ہے۔ اور یہ مالیخولیا کا اثر ہے جو تجھ میں ظاہر ہو رہا ہے۔ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک کشتی زمین سے نکلے اور روئے زمین پر بغیر حرکت دیے ہوئے از خود حرکت کرنے لگے۔ اُس مردِ عاقل نے کہا کہ تمہارے عقائد۔ تم یہ کہتے ہو کہ اتنی عظمت والے آسمان خود بخود وجود میں آئے ہیں اور خود ہی حرکت کرتے ہیں اور یہ زمین اتنی عظمت و وسعت کے ساتھ، اور یہ پہاڑ، حیوانات کی اقسام اور نباتات و جمادات کی انواع خود بخود عالم وجود میں آئی ہیں۔ (یہ عقائد) میری بات سے زیادہ عجیب و غریب ہیں۔ پس وہ جواب دینے سے عاجز آ گئے اور سب کے سب مسلمان ہوگئے۔

ایک بادشاہ کا وجودِ خدا کا اقرار

نقل کیا گیا ہے کہ عہد قدیم میں شہر سرائی میں جو کہ سمرقند سے اوپر ہے ایک ترک بادشاہ ہو گزرا ہے۔ یہ علم و عقل سے کورا تھا۔ اپنے ہوشمند وزیر کی تدبیر سے مسلمان ہوگیا تھا۔ ناگاہ ایک زندیق درویشوں کے لباس میں شہر سرائی وارد ہوتا ہے۔ اتفاق ایسا ہوتا ہے کہ اس درویش کی مصاحبت کا نقش بادشاہ کے ساتھ ٹھیک بیٹھتا ہے۔ لہٰذا وہ درویش فلسفیوں کے شبہات سے بادشاہ کے اسلام میں رخنہ ڈالتا ہے اور اُسے اس حال پر کر دیتا ہے کہ عالم قدیم ہے اور حشر و نشر، حساب و عذاب و ثواب اور بہشت

Marfat.com

ودوزخ کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ یہاں تک کہ عقلمند وزیر اس کیفیت سے مطلع ہوجاتا ہے۔ وہ حیران ومتفکر ہوتا ہے کہ درویش کے اعتقاد کے باطل ہونے کو کس طرح بادشاہ کے سامنے پیش کرے جو فہم اور ہوش نہیں رکھتا۔ بہت سوچ بچار کے بعد اُسے ایک تدبیر سوجھی۔ وہ ہر سال بادشاہ کی ضیافت کرتا تھا اور ضیافت کا وقت بھی قریب آچکا تھا۔ وہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور وعدہ لینا چاہا۔ بادشاہ نے (دعوت کو) قبول کیا۔ قبول کے بعد وزیر نے عرض کیا کہ شہر کی فضا اچھی نہیں ہے اور بہار کے موسم میں شہر کو صحرا سے کوئی نسبت نہیں۔ اگر بادشاہ سلامت عنایت فرمائیں تو وہ فلاں صحرا میں اسباب ضیافت وسامان عیش وعشرت تیار کرے۔ اتفاق سے وہ صحرا بہت گرم اور موسم کی خرابی کے لیے مشہور تھا اور وہاں ہرگز پانی، عمارتیں، درخت اور آبادی نہ تھی۔ چونکہ بادشاہ نے اس صحرا کا حال سُن رکھا تھا۔ اس لیے وہ غصے میں آگیا اور اس کا رنگ متغیر ہوگیا اور کہنے لگا کہ یہ کیا بات ہے جو تو کرتا ہے۔ کیا تو نے اس صحرا کو نہیں دیکھا ہے اور اس کی کیفیت کو نہیں سُنا ہے۔ وزیر نے کہا میں نے سنا ہے۔ لیکن اب اس صحرا میں قصر، ایوان اور بہت خوبصورت پھلواڑیاں اُگ آئی ہیں اور بغیر کسی مالک اور مالی کے باغ اُگے ہوئے ہیں، بادشاہ کی حیرت زیادہ ہوگئی۔

وہ زندیق جو وزیر کو شرمندہ اور خفیف کرنے کا منتظر تھا۔ وہ موقعہ کو غنیمت جانتے ہوئے وزیر کی جانب متوجہ ہوا اور کہنے لگا، شاید تیرے دماغ میں خلل واقع ہوگیا ہے یا تو دیوانہ ہوگیا ہے، یہ محال ہے کہ مکان بغیر معمار کے اور باغ بغیر باغبان کے بن جائے۔ کوئی عقلمند ہرگز ایسا جھوٹ نہیں بول سکتا خصوصاً بادشاہ کی خدمت میں۔

Marfat.com

پس وزیر نے بادشاہ سے عرض کیا کہ آپ نے سنا جو کچھ اس زندیق نے کہا کہ کوئی مکان بغیر بنانے والے کے محال ہے، پس اے عاقل بادشاہ اتنی عظمت والے آسمان، اتنی وسعت والی زمین اور اتنی بلندی والے پہاڑ کس طرح بغیر بانی کے عالم وجود میں آسکتے ہیں؟ اے بادشاہ: عالم کو چشم عبرت سے دیکھ کیسے ممکن ہے کہ مخلوقات، حیوانات، نباتات اور جمادات کی اقسام، یہ آفتاب، چاند اور ستارے اور دن رات کی گردش بغیر ایک مدبر خالق اور صانع کے خود بخود پیدا ہوں، پس بادشاہ نے عقل مند وزیر کے قول کی تصدیق کی اور کہنے لگا کہ ممکن نہیں ہے کہ یہ عمارتیں بغیر ایک باخبر بانی کے، اور یہ مخلوقات بغیر ایک خالق کے خود بخود بن گئی ہوں۔ پھر بادشاہ نے اس زندیق کے قتل کا حکم دیا۔ چنانچہ اس کو قتل کر دیا گیا۔ بادشاہ کا اعتقاد زیادہ ہو گیا اور اس کا ایمان کامل ہو گیا۔

اسی وجہ سے جب آئمہ معصومینؑ سے بھی ہر مذہب والوں نے وجود خالق وصانع کے اثبات کے متعلق سوال کیا، تو انہوں نے بھی وجود مخلوق سے خالق کے وجود پر استدلال کیا اور سوال کرنے والوں نے ان دلائل کو قبول کیا۔ محمد بن یعقوب کلینی طاب اللہ ثراہ نے کتاب ''اصول کافی'' کی کتاب توحید میں روایت کیا ہے کہ عبداللہ دیصانی حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں آیا اور آنحضرتؑ سے وجود صانع پر دلیل طلب کی، آپؑ نے فرمایا: تیرا نام کیا ہے؟ پس عبداللہ آنحضرتؑ کی خدمت سے باہر چلا گیا اور اپنا نام نہ بتایا۔ عبداللہ کے دوستوں نے اُسے کہا کہ تو نے اپنا نام کیوں نہ بتایا۔ عبداللہ نے کہا کہ اگر میں کہتا کہ میرا نام عبداللہ ہے تو آنحضرتؑ فرماتے کہ کون ہے وہ ذات جس کا تو بندہ اور عبد ہے۔

Marfat.com

پس عبداللہ کے ساتھیوں نے اُسے کہا کہ تو دوبارہ آنحضرتؑ کی خدمت میں جا اور سوال کر کہ وہ تجھے تیرے خدا کے بارے میں بتائیں بغیر تیرے نام کے سوال کیے ہوئے۔ لہٰذا عبداللہ آپؑ کی خدمت میں لوٹ گیا اور عرض کیا کہ مجھے میرے خدا کے متعلق بتایئے اور میرے نام کے حوالے سے سوال نہ کیجئے۔ آنحضرتؑ نے فرمایا اے عبداللہ! بیٹھ جا۔ پس وہ بیٹھ گیا۔ اس وقت ایک بچہ آپ کے پاس موجود تھا اور اس کے ہاتھ میں ایک انڈا تھا۔ آنحضرتؑ نے اس انڈے کو اس بچے کے ہاتھ سے لیا اور فرمایا: اے عبداللہ! اس انڈے میں غور کر۔ دیکھ کہ یہ ایک مضبوط قلعہ ہے جس کی ایک مضبوط جھلی ہے۔ اور مضبوط جھلی کے نیچے ایک باریک جھلی ہے۔ باریک جھلی کے نیچے سونا رواں ہے اور پگھلی ہوئی چاندی۔ ان دونوں جاری چیزوں میں سے کوئی بھی ایک دوسری کے اندر داخل نہیں ہوتی۔ بلکہ ہر ایک اپنے حال پر ہے اور کوئی اصلاح کرنے والا باہر نہیں آتا جو اس کے درست ہونے کی خبر دے۔ کوئی فساد کرنے والا اس کے اندر داخل نہیں ہوتا جو اس کے فساد کی خبر دے اور نہیں کہا جاسکتا کہ اس انڈے سے نر پیدا ہوگا یا مادہ۔ اچانک یہ انڈہ پھٹتا ہے اور اس سے مور کی مانند رنگ دار پرندہ باہر نکلتا ہے۔ اے عبداللہ! اس کا کوئی مدبر اور صانع ہے یا نہیں؟

پس عبداللہ نے تھوڑی دیر کے لیے سر نیچے جھکا لیا۔ اس کے بعد سر کو اُٹھایا کلمہ شہادت پڑھا اور آنحضرتؑ کی امامت کا اقرار اپنی زبان سے کیا۔ اس طرح وہ ایمان لے آیا اور اپنے پہلے مذہب سے توبہ کر لی۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے ابن ابی العوجاء کی گفتگو

نیز اصول کافی، کتاب توحید میں روایت کی گئی ہے کہ ایک شخص کہتا ہے میں،

Marfat.com

ابن ابی العوجاء اور عبداللہ ابن مقفع جو کہ دہری مذہب رکھتے تھے اور خداوند عالم اور رسول ﷺ پر اعتقاد نہ رکھتے تھے، مسجد الحرام میں تھے اور حضرت امام جعفر صادقؑ مقام طواف پر بیٹھے ہوئے تھے اور بہت سے لوگ آپ کے اردگرد بیٹھے تھے۔ عبداللہ ابن مقفع نے ابن ابی العوجاء سے کہا کہ وہ تمام آدمی جو مقام طواف پر بیٹھے ہوئے ہیں ان میں سے کوئی بھی انسان کہلانے کا مستحق نہیں مگر وہ شیخ جو وہاں بیٹھا ہوا ہے۔ اس نے آنحضرتؑ کی جانب اشارہ کیا اور کہا باقی سب حیوانوں کی مانند ہیں۔ ابن ابی العوجاء نے اپنے برے اعتقاد کی وجہ سے کہا کہ تجھے کہاں سے معلوم ہوا کہ یہ بزرگ کامل ہیں اور دوسرے نہیں ہیں۔ عبداللہ ابن مقفع نے کہا کہ ان کے پاس چند چیزیں ہیں جو دوسروں کے پاس نہیں ہیں۔ ابن ابی العوجاء نے کہا کہ میں ان کو آزمانے کے لیے جاتا ہوں۔ عبداللہ نے اس سے کہا یہ کام نہ کر۔ مجھے ڈر ہے کہ تیرے محض ان سے بات کرنے سے وہ تیرے دین سے تجھے ہٹا دیں گے جو تو رکھتا ہے، وہ تیرے اعتقاد کو فاسد کر دیں گے۔ ابن ابی العوجاء نے کہا کہ تو اس وجہ سے نہیں ڈرتا بلکہ اس لیے ڈرتا ہے کہ میں جاؤں اور انہیں عاجز کر دوں اور تیری بات ان کے حق میں جھوٹ ثابت ہو۔ پس عبداللہ نے کہا کہ اب تو نے یہ خیال کیا ہے۔ اُٹھ اور ان کی طرف جا اور محتاط رہ کہ وہ تجھے ایسی جگہ پر نہ ڈال دیں جہاں سے تو خلاصی ہی حاصل نہ کر سکے اور اپنے مذہب و اعتقاد سے ہی ہٹ جائے۔

راوی کہتا ہے کہ میں اور عبداللہ ابن مقفع بیٹھے ہوئے تھے کہ ابن ابی العوجاء آنحضرتؑ کے پاس سے واپس آئے اور بیان کرے کہ ان کے درمیان کیا بات ہوئی۔ وہ

Marfat.com

کچھ دیر کے بعد آنحضرتؐ کی خدمت سے لوٹا اور اس نے عبداللہ سے کہا:۔

وائے ہو تجھ پر، یہ شخص آدمی نہیں ہے اگر چہ وہ اس دنیا میں ہے، بلکہ روحانی فرشتہ ہے۔ وہ جس وقت چاہتا ہے انسانی جسم (قالب) کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے اور جب چاہتا ہے چھپ جاتا ہے۔ پس عبداللہ نے کہا کہ بیان کر تیرے اور آنحضرتؐ کے درمیان کیا بات ہوئی۔ اس نے کہا کہ میں گیا اور آنحضرتؐ کی خدمت میں بیٹھا یہاں تک کہ وہ تمام لوگ جو آپ کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے، چلے گئے۔ اس سے پہلے کہ میں بات کروں انہوں نے اپنا روئے مبارک میری جانب کیا اور فرمایا کہ اگر امر مسلمانوں کے قول کے مطابق ہو تو وہ بے شک محفوظ رہیں گے اور تم ہلاک ہو جاؤ گے اور اگر تمہارے قول کے مطابق ہو اور ان (مسلمانوں) کے قول کے مطابق نہ ہو تو بے شک تم اور مسلمان برابر ہوں گے۔ میں نے عرض کیا کہ وہ کیا کہتے ہیں اور ہم کیا کہتے ہیں۔ جو کچھ وہ کہتے ہیں ہم بھی کہتے ہیں۔ ان کا اور ہمارا قول ایک ہی ہے۔ اس پر آپؑ نے فرمایا۔ ان کا قول اور تمہارا قول کیسے ایک ہے حالانکہ یہ کہتے ہیں کہ ان کے لیے معاد ہے، ان کا خدا ایک ہے، ثواب وعذاب ہے اور یہ آسمان آباد ہیں۔ جب کہ تم کہتے ہو کہ کوئی خدا نہیں ہے اور آسمانوں پر کوئی نہیں ہے بلکہ وہ ویران ہیں۔ میں نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھا اور عرض کیا کہ اگر خدا ہے، جیسا کہ مسلمان کہتے ہیں، تو پھر وہ لوگوں پر ظاہر کیوں نہیں ہوتا اور ان کو اپنی عبادت کے لیے کیوں نہیں بلاتا تا کہ پھر کوئی شخص اختلاف نہ کرے۔ اس نے کیوں پیغمبروں کو بھیجا اور خود لوگوں سے چھپا ہوا ہے، حالانکہ اگر وہ خود چھپا ہوا نہ ہوتا تو لوگوں کو ایمان لانے کے لیے بہتر ہوتا۔ پس

Marfat.com

حضرتؑ نے فرمایا: وائے ہو تجھ پر، کس طرح وہ خدا تجھ سے پنہاں ہے جس نے تیرے نفس میں اپنی قوت کو ظاہر کیا ہے۔ اس وجہ سے کہ اس نے تجھے پیدا کیا حالانکہ تو پہلے نہ تھا اور تیرے بچپن سے تجھے بڑا کیا، وہ تجھے کمزوری کے بعد قوت دیتا ہے اور قوت کے بعد کمزوری، صحت کے بعد تجھے بیماری اور بیماری کے بعد صحت دیتا ہے، غضب کے بعد رضا اور رضا کے بعد غضب دیتا ہے، خوشحالی کے بعد غم اور غم کے بعد خوشحالی عطا کرتا ہے۔ وہ تجھے محبت کے بعد دشمنی اور دشمنی کے بعد محبت دیتا ہے اور سستی کے بعد سعی اور سعی کے بعد تجھے سستی دیتا ہے۔ وہ کراہت کے بعد خواہش اور خواہش کے بعد تجھے کراہت دیتا ہے۔ خوف کے بعد جرأت اور جرأت کے بعد تجھے خوف دیتا ہے۔ ناامیدی کے بعد اُمید اور اُمید کے بعد نااُمیدی تجھے دیتا ہے۔ فراموشی کے بعد کسی چیز کا علم اور علم کے بعد تجھے فراموشی دیتا ہے۔ (اس طرح حضرتؑ قدرت الٰہی کے آثار جو میرے نفس میں تھے، کو بار بار تسلسل کے ساتھ بیان کرتے جارہے تھے اور میں ان کا انکار نہیں کرسکتا تھا۔ یہاں تک کہ میں نے گمان کیا، کہ جناب اقدس الٰہی کا حال میرے اور آنحضرتؑ کے درمیان ظاہر ہوجائے گا۔

حضرت امام رضاؑ کی گفتگو

نیز بحارالانوار میں روایت کی گئی ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام رضاؑ کی خدمت میں عرض کیا کہ اے فرزند رسول ﷺ!

ما الدلیل علی حدوث العالم، فقال: انت لم تکن ثم کنت وقد علمت انك لم تکون نفسك ولا

Marfat.com

کونك من هو مثلك۔۔۔الخ

حدیث کا حاصل معنی یہ ہے کہ (اس شخص) نے آنحضرتؑ کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ اے فرزند رسول خداؐ! واجب الوجود کے اثبات اور حدوث عالم پر کیا دلیل ہے؟ آنحضرتؑ نے فرمایا: تو نہ تھا، اس کے بعد تو موجود ہو گیا اور تو بے شک یقین رکھتا ہے کہ تیرا خالق تجھ جیسا نہیں ہے۔ یعنی تو محتاج ہے اور تیرا امر تیرے ہاتھ میں نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو تو مکروہات کو دفع کرنے اور منافع حاصل کرنے پر قدرت رکھتا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اگر تو مریض ہو جاتا ہے، تو مرض کے دور کرنے پر قدرت نہیں رکھتا اور اگر فقیر ہو جاتا ہے، تو امیر ہونے پر قدرت نہیں رکھتا۔ اگر تو اپنے اوپر قادر ہوتا تو اپنے آپ پر یہ اور ایسی ہی باتیں روا نہ رکھتا۔ لہٰذا تو عاجز اور محتاج ہے۔ پس جان لے کہ تیرا وجود تجھ سے نہیں ہے بلکہ کسی ایسی ذات سے ہے جو تیرے امر کی تدبیر کرتی ہے اور تیرے وجود کو زندہ رکھتی ہے۔ ہر وہ شخص جو احتیاج اور فقر میں تیری مثل ہے، وہ کسی دوسرے کو پیدا نہیں کر سکتا۔ اس دلیل کے ساتھ جو تیرے متعلق ہم نے بیان کی۔ لہٰذا چاہیے کہ کوئی تیری ایجاد کا باعث ہو، جو تیری مانند تمام جہات میں فقیر اور محتاج نہ ہو، پس وہی ہے واجب الوجود، جب کہ تو اور تیری مثل (مخلوقات) حادث اور متغیر ہیں۔ (اس سلسلے میں) ایسی بہت سی احادیث آئمہ اطہارؑ سے وارد ہیں۔

پانچویں دلیل

ہر وہ مفہوم جس کو انسان تعقل کرتا ہے، یا وہ ہے جس کی ذات میں نظر کسی خارجی امر کے ملاحظہ کے بغیر کرے یا اس کے اور خارج میں موجود ہونے کی کسی علت

Marfat.com

کے بغیر (نظر کرے)، واجب ہے۔ اس کو واجب الوجود کہتے ہیں۔ یا یہ کہ اس کی ذات میں اس کے (موجود) ہونے میں نظر کرنا محال ہے۔ اس کو ممتنع الوجود کہتے ہیں۔ یا یہ کہ اس کی ذات میں نظر کرنا اس طرح ہے کہ نہ اس کا ہونا واجب ہے، اور نہ اس کا ہونا ممتنع ہے۔ اس کو ممکن الوجود کہتے ہیں۔ یعنی اس کی ذات کے لیے ہونا اور نہ ہونا دونوں روا ہیں۔ اگر کوئی علت پیدا ہو جائے تو وہ موجود ہو جاتا ہے ورنہ معدوم ہو جائے گا۔

اس بحث کو ایک دوسرے مفہوم سے سمجھا جاسکتا ہے جو زیادہ واضح ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ جو چیز انسان کے ذہن میں باہر سے آتی ہے اور وہ اس کا تصور کرتا ہے وہ تین قسم سے باہر نہیں ہے۔

پہلی قسم

واجب الوجود ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اس کی ذات کو فنا ہرگز عارض نہ ہوگی اور وہ موجود ہونے میں غیر کا ہرگز محتاج نہ ہوگا۔

دوسری قسم

ممتنع الوجود ہے یعنی ہر وہ چیز جس کا موجود ہونا محال ہے مثلاً خدا کا شریک ہونا۔

تیسری قسم

ممکن الوجود ہے یعنی ہر وہ چیز جس کا ہونا اور نہ ہونا دونوں نسبتیں اس کی ذات کے لیے روا ہوں۔ یعنی اگر کوئی دوسرا اس کو ایجاد کردے تو وہ موجود ہو جاتا ہے اور اگر کوئی

Marfat.com

دوسرا اس کو ایجاد نہ کرے تو وہ معدوم ہو جائے گا۔ مثلاً تمام وہ موجودات جن کو ہم مشاہدہ کرتے ہیں ___ حیوانات، نباتات، جمادات، آسمان اور زمین۔ پس ہم کہتے ہیں کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ ممکنات جن کا ہم خارج میں مشاہدہ کرتے ہیں، موجود ہیں۔ اس میں بھی کوئی شک وشبہ نہیں ہے یہ از خود موجود نہیں ہوتے کیونکہ تو نے جان لیا ہے کہ ممکن کا معنی یہ ہے کہ وہ موجود ہونے میں دوسرے کا محتاج ہو۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ان کو کسی دوسرے نے پیدا کیا ہوگا۔ اس وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ وہ دوسرا جس نے ان کو پیدا کیا ہے اگر وہ واجب الوجود ہے تو ہمارا مطلوب ثابت ہو جاتا ہے اور اگر وہ بھی ممکن ہوگا اور ان کی مثل ہوگا تو وہ موجود ہونے میں کسی دوسرے کا محتاج ہوگا۔ پس اس صورت میں یا یہ ہے کہ اس ممکن کو کوئی دوسرا ممکن پیدا کرتا ہے اور اس دوسرے ممکن کو یہ ممکن پیدا کرتا ہے یعنی ان دونوں میں سے ہر ایک ممکن ایک دوسرے کو پیدا کرتا ہے اور یہ صریح ''دور'' ہے، اس وجہ سے کہ ''دور'' یہ ہے کہ ایک چیز ایک دوسری چیز کے وجود کا باعث ہوتی ہے اور وہ دوسری چیز بالکل اسی طرح پہلی چیز کے وجود کا باعث ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر باپ بیٹے کے پیدا ہونے کا سبب ہوتا ہے اور وہی فرزند باپ کے پیدا ہونے کا سبب ہوتا ہے۔ ''دور'' تمام عقلاء کے اتفاق سے باطل ہے اس وجہ سے کہ اپنے نفس پر کسی شے کے تقدم کو مستلزم ہے اور اس کا باطل ہونا ظاہر ہے۔

یا یہ کہ ان کو کسی دوسرے ممکن نے پیدا کیا ہے اور اس ممکن کو بھی کسی اور ممکن نے پیدا کیا ہے، اس طرح اس ممکن کو بھی کسی دوسرے ممکن نے پیدا کیا ہے وغیرہ۔ پس اس صورت میں یا تو احتیاج کا سلسلہ واجب الوجود تک پہنچے گا جو اپنے وجود میں غیر کا

Marfat.com

محتاج نہ ہوگا۔اس طرح ہمارا مطلوب پھر حاصل ہو جائے گا۔ یا یہ کہ واجب الوجود پر منتہی نہ ہوگا بلکہ غیر منتہی ہوگا۔یعنی اس ممکن کو کسی دوسرے ممکن نے پیدا کیا ہے اور اس ممکن کو بھی دوسرے ممکن نے ___ اسی طرح یہ سلسلہ غیر منتہی ہوگا۔پس اس صورت میں "تسلسل" لازم آئے گا، اس لیے کہ تسلسل میں ایک کسی دوسرے کا محتاج ہوتا ہے اور وہ دوسرا بھی کسی اور کا محتاج ہوتا ہے۔اس طرح اس سلسلے کی کوئی انتہا نہ ہوگی۔تمام عقلاء کا اتفاق ہے کہ "تسلسل" باطل ہے۔اس وجہ سے یہ محال ہے کہ جس چیز کو کھینچا جائے، وہ انتہا نہ رکھتی ہو یا اس کا آخر نہ ہو۔۔۔

چھٹی دلیل

ممکن کلی کی ماہیت نیستی سے وجود میں نہیں آسکتی مگر یہ کہ اس کا غیر اس کو ایجاد کرے کیونکہ وہ خود اپنے آپ کو پیدا نہیں کرسکتا اس واسطہ سے کہ اگر وہ پیدائش کے وقت وجود رکھتی ہوگی تو تحصیل حاصل لازم آتا ہے اور اگر نیستی رکھے گی تو وہ چیز جو موجود نہیں ہے ہستی دینے کا باعث بنے یہ عقلی طور پر محال ہے۔پس ممکن کا پیدا کرنے والا اس کا غیر ہوگا اور وہ غیر یا تو واجب الوجود بالذات ہے یا ممتنع الوجود ہے اس وجہ سے کہ جو چیز متصور ہوتی ہے، وہ تین اقسام سے باہر نہیں ہے ___ ممکن الوجود، واجب الوجود یا ممتنع الوجود ہوگی جیسا کہ سابق دلیل میں ہم نے تفصیل سے بیان کیا ہے۔لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ یہ محال ہے کہ ممتنع الوجود پیدا کرنے والا ہو کیونکہ وہ تو خود ہستی نہیں رکھتا، نیز اس کی ہستی محال ہے لہٰذا متعین ہے کہ ممکن الوجود کا خالق واجب الوجود بالذات ہوگا۔نہ ممکن الوجود اور نہ ہی ممتنع الوجود، پس تمام ممکنات اپنی ہستی میں واجب الوجود بالذات کے محتاج

Marfat.com

ہوں گے۔ پس اگر واجب الوجود بالذات جو کہ ممکن کے وجود کا موقوف علیہ ہے، موجود نہ ہوگا تو کوئی چیز موجود نہ ہوگی۔ لیکن یہ خلاف واقعہ اور خلاف محسوس ہے۔ اس اور اس سے پہلی دلیل میں فرق یہ ہے کہ پہلی دلیل میں "دور و تسلسل" کا ذکر آتا ہے لیکن اس دلیل میں "دور و تسلسل" کا ذکر نہیں آتا۔

ساتویں دلیل

ساتویں دلیل یہ ہے کہ ہم تمام سلسلہ ممکنات کو ایک شخص کے حکم میں فرض کرتے ہیں یعنی ہم فرض کرتے ہیں کہ جو کچھ ممکنات میں سے ہے ___ حیوانات، جمادات، نباتات، آسمان، زمین، ستارے اور تمام اشیاء جو ممکنات میں سے ہیں، اس طریقے پر کہ افراد ممکنات میں سے کوئی فرد بھی اس سے باہر نہ ہو، بمنزلہ ایک موجود ہے۔ پس ہم کہتے ہیں کہ یہ سلسلہ ممکنات کا مجموعہ کہ جس کو ہم نے ایک فرض کیا ہے اسے البتہ چاہیے کہ یہ ایک دوسرے موجود کا محتاج ہو، جو اس مجموعہ سے باہر ہو، کیونکہ ممکن اپنے غیر کا محتاج ہوتا ہے۔ پس جیسا کہ ہم نے پہلے کہا، یہ مجموعہ اپنے وجود میں کسی ایسے موجود کا محتاج ہوگا جو اس سے باہر ہوگا اور یہ ممکن نہیں ہو سکتا کیونکہ ہر وہ چیز جس پر ممکن کا اطلاق ہو سکتا ہے، ان سب کو ہم نے فرض کر لیا ہے کہ وہ سلسلہ ممکنات میں داخل ہیں۔ لہٰذا یہ موجود واجب الوجود بالذات ہوگا، کیونکہ تمام سلسلہ ممکنات کا وجود، ذاتِ اقدس کا محتاج ہے اور یہی ہمارا مطلوب ہے۔ اس دلیل اور پانچویں دلیل میں یہ فرق ہے کہ اس میں "دور و تسلسل" کا ذکر نہیں آتا اور اُس میں اس کا ذکر آتا ہے۔

آٹھویں دلیل

بنی آدم کے تمام فرقوں اور گروہوں کا واجب الوجود کے وجود پر اتفاق ہے

Marfat.com

کیوں کہ تمام انبیاء، اوصیاء، اولیاء، علماء اور عقلا اس بات کے قائل ہیں کہ اس عالم کا ایک حکیم خالق ہے اور علیم صانع ہے اور یہ کہ وہ تمام جہات سے کامل ہے اور نقص اس کے لیے جائز نہیں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ تمام صاحبان عقل وادراک بالخصوص انبیاء اور اوصیاء، جو عقول کاملہ کے مالک ہیں، کسی غلط بات پر اتفاق نہیں کرتے اور بنی آدم کے تمام فرقے واجب الوجود کے وجود پر اتفاق رکھتے ہیں مگر دہریہ فرقہ والے جو کہ حقیقت میں انسانی زمرہ میں شامل نہیں ہیں، وہ کہتے ہیں کہ تمام اشیاء کا مبداء دہر ہے۔ جس سے مراد طبیعت ہے۔ یعنی وہ کہتے ہیں کہ نطفہ کی طبیعت یہ ہے کہ جب وہ رحم میں قرار پکڑتا ہے، تو وہ انسان بن جاتا ہے اور زمین کی طبیعت یہ ہے کہ تخم کو سبز کرتی ہے۔ وہ تمام دلیلیں جو ہم نے پہلے تفصیل سے بیان کیں، ان کے کلام کو رد کرتی ہیں اور جب کبھی کوئی ان کے سامنے دلیل لاتا ہے، تو وہ جواب سے عاجز آجاتے ہیں۔ اس کے باوجود وہ فاسد اعتقادات سے باز نہیں آتے۔ ان میں سے بعض گروہ شہر شام کے اردگرد موجود ہیں۔ جب کبھی ان سے ان کے باطل اعتقادات پر دلیل طلب کی جاتی ہے، تو وہ جواب میں کہتے ہیں کہ ہم دلیل نہیں رکھتے۔ درحقیقت یہ گروہ واجب الوجود کا قائل ہے۔ لیکن ان کو واجب الوجود کی صفات میں اشتباہ ہوگیا ہے۔ اسی وجہ سے حدیث میں وارد ہوا ہے:۔

لا تسبوالدهر فان الدهر هو الله

یعنی دھر کو گالی نہ دو، بے شک دھر خدا ہے۔

مراد یہ ہے کہ دہریوں کا گروہ خالق عالم کو دھر کہتا ہے اور ہم اسے خدا کہتے

Marfat.com

ہیں۔لہٰذا دونوں ایک ہی ہیں، مگر یہ کہ انہوں نے خدا کی صفات میں غلطی کی ہے۔یہ معنی جو ہم نے اس حدیث سے لیے ہیں، ان دوسرے تمام معنوں سے بہتر ہیں جو علماء نے اس حدیث کی توجیہ کے لیے بیان کیے ہیں۔

نقل کیا گیا ہے کہ قدیم زمانے میں ایک مسلمان اور ایک دہریہ کے درمیان مباحثہ ہوا۔دہری نے کہا کہ جو کچھ عالم خاک میں موجود ہوتا ہے وہ ارکان کی طبیعت سے ہے۔مسلمان نے کہا اس کے باوجود کہ توت کے پتوں کا ذائقہ ایک ہے۔اگر ان کو ریشم کا کیڑا کھالے،تو اس سے ابریشم پیدا ہوتا ہے اور اگر ہرن ان کو کھالے تو اس کے بطن میں خالص مشک بن جاتا ہے اور اگر ان کو گوسفند کھالے تو گوبر خارج کرتا ہے حالانکہ اس پتے کی کیفیت ایک ہے، اس کی خاصیت ایک ہے، مگر ہر پیٹ سے ایک جدا چیز اس سے حاصل ہوتی ہے لہٰذا معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکیم، علیم اور قدیم مدبر کی تقدیر سے ہے۔

نیز نقل کیا گیا ہے کہ ایک مسلمان طبیب اور ایک دھری مذہب رکھنے والے کے درمیان مناظرہ ہوا۔دھریہ نے کہا کہ تو جانتا ہے کہ تمام چیزوں کا مدار طبائع پر ہے۔طبیب نے کہا کہ مجھے دو چیزوں نے سیدھی راہ دکھائی ہے۔ایک یہ کہ نیش و نوش اور لطف و قہر شہد کی مکھی میں جمع کر دیا گیا ہے جیسا کہ انوری نے کہا ہے:

آنکہ در امعائی زنبوری کمال رافتش
نوش را با نیش داد از روی صحبت داوری

(ترجمہ) جس نے اپنی کمال مہربانی سے بھِڑ کی انتڑیوں میں توازن کے ساتھ ڈنک اور علاج کو اکھٹا کر رکھا ہے۔

Marfat.com

حالانکہ طبیعت متضاد عمل نہیں کر سکتی، دوسرے یہ کہ ہلیلہ سرد اور خشک ہے، اسہال لاتی ہے۔ (گوند) کتیرا گرم اور تر ہے، لیکن قبض کرتی ہے۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ چیزوں اور موجودات کا مدار طبائع پر نہیں ہے۔

نیز ہم کہتے ہیں کہ اگر نطفہ کی طبیعت یہ ہے جیسا کہ تم کہتے ہو تو پھر بعض آدمیوں کا نطفہ بعض عورتوں کے رحم میں صورت نہیں پکڑتا۔ ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ اثر وطبیعت کا خالق کون ہے؟ اور کس نے یہ اثر اشیاء کو دیا ہے؟ نطفہ، انسان، حیوان، زمین، تخم اور ان کے علاوہ دوسری (چیزوں) کا خالق کون ہے؟ جس نے ان کو خلق کیا ہے اور یہ طبیعت اور اثر ان کو دیا ہے۔ ہم اس کو خدا جانتے ہیں۔

جو کچھ ہم نے بیان کیا اس سے معلوم ہو گیا کہ کوئی شخص بھی واجب الوجود کا منکر نہیں ہے اور اگر بالفرض دہری جماعت منکر ہو تو ان کی طرف توجہ نہیں کی جاتی۔ پس جب تمام دُنیا کے عقلاء اور تمام بنی آدم کے گروہ ایک چیز پر اتفاق کر لیتے ہیں تو اس سے نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ وہ چیز حق ہے۔ ان (سب) کا اتفاق صانع عالم کے وجود پر دلیل ہے نیز یہ کہ وہ تمام جہات سے کامل ہے اور اس کے لیے نقص جائز نہیں ہے۔ یہ حقیقت بہت بدیہی اور واضح ہے۔ اس کے لیے ایسی دلیلیں ہیں کہ ان میں خطا کو دخل نہیں۔ (آخری) دلیل نہایت متین اور قوی ہے، یہ آٹھ دلیلیں جو بیان کی گئیں، تمام عقلی دلیلیں تھیں۔

نقلی دلائل

صانع عالم کے وجود کے اثبات پر نقلی دلائل بہت سے ہیں۔ ان میں سے

Marfat.com

ایک یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں ارشاد فرماتا ہے:۔

سنریھم ایٰتنا فی الافاق وفی انفسھم حتی یتبین لھم انہ الحق ط اولم یکف بربك انہ علی کل شئی شھیدo (حٰم السجدۃ ۴۱:۵۳)

یعنی ہم عنقریب ان لوگوں کو ایسی چیزیں دکھائیں گے جو خداوند عالم کی ہستی پر علامت ونشان کی حیثیت رکھتی ہیں جو کہ اطراف عالم میں ثابت ہیں کہ وہ اللہ کی مصنوعات ہیں اور ان کے نفسوں میں بھی آیات ہیں یہاں تک کہ ان کے لیے ظاہر ہوجائے گا کہ خدا کی ہستی حق اور ثابت ہے۔ کیا اللہ کا ہر چیز کے قریب موجود ہونا کافی نہیں ہے۔ یعنی اس کا اثر ہر چیز میں موجود ہے۔ کیا یہ بات انہیں خدا کے موجود ہونے پر کافی نہیں ہے۔

ارباب تحقیق کے نزدیک آفاق عالم کبیر ہے اور اَنفُس عالم صغیر ہے اور یہ بات شک کے بغیر کہی جاسکتی ہے کہ جو کچھ عالم کبیر میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور توحید پر موجود ہے، اس کا نمونہ عالم صغیر میں بھی ہے۔ نیز خداوند عالم نے فرمایا ہے:۔

ولئن سالتھم من خلق السمٰوٰت والارض لیقولن اللہ (لقمان:۲۵)

یعنی اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے، تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔

Marfat.com

حضرت امام صادقؑ سے سوال

کتاب کافی میں مذکور ہے کہ ایک زندیق، جو خدا کا منکر تھا، نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا:۔

ما الدلیل علی صانع العالم

یعنی صانع عالم پر کون سی چیز دلیل ہے؟

حضرت امامؑ نے فرمایا:۔

وجــود الافـاعیـل دلت علی ان صانعا صنعها الاتری

أنك اذا نظرت الیٰ بناء مشید مبنی علمت ان له بانیا

و ان کنت لم ترالبانی ولم تشاهده۔

یعنی خالق کے وجود پر دلیل وہ آثار ہیں جو دلالت کرتے ہیں کہ ان کے لیے ایک مؤثر اور صانع ہے جس سے ان کا صدور ہوا ہے اور ان کو اس نے خلق کیا ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ جب تو کوئی مضبوط عمارت دیکھتا ہے تو یقین کر لیتا ہے کہ اس کا کوئی بنانے والا ہے اگرچہ اس بانی کو تو نے نہ دیکھا ہو۔

نیز مروی ہے کہ لوگوں نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے پوچھا کہ مؤثر عالم کی ہستی پر کیا دلیل ہے۔ آپ نے فرمایا: سب سے بڑی دلیل میرا وجود ہے، کیونکہ میرا وجود دو حال سے خالی نہیں ہے یا ایک وقت میں نے اپنے آپ کو موجود کیا اور میں وجود رکھتا تھا لیکن یہ تحصیل حاصل ہے اور یہ محال ہے۔ یا میں نے اپنے آپ کو اس وقت موجود کیا جب کہ میں موجود نہ تھا اور یہ بھی محال ہے کیوں کہ معدوم کسی چیز کو موجود نہیں کر سکتا، لہٰذا

Marfat.com

معلوم ہوا کہ مجھے کسی ایسے موجود نے حیات بخشی ہے جس پر نیستی کا گزر نہیں۔

آنکہ تغیر نپذیرد یکے است
و آنکہ نمرد است و نمیرد یکے است

یعنی جو تغیر پذیر نہیں، وہ ایک (خدا) ہے اور جو نہ مرا ہے اور نہ مرے گا وہ (خدائے) واحد ہے۔

حضرت امیر المؤمنینؑ کا قول

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت کی گئی کہ آپؑ نے فرمایا:۔

سمعت ابی یحدث عن ابیه ان رجلا قام الیٰ امیر المؤمنینؑ، فقال: یا امیر المؤمنین بما عرفت ربك، قال: بفسخ العزائم و نقض الهمم الاترى ان هممت حال بيني و بين همي و عزمت فخالف القضاء عزمي فعلمت أن المدبر غيري۔

''یعنی میں نے اپنے پدر بزرگوار سے سنا۔ انہوں نے اپنے پدر بزرگوار سے حدیث بیان کی۔ فرمایا کہ ایک آدمی حضرت امیر المؤمنینؑ کی طرف مخاطب ہو کر کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ اے امیر المؤمنینؑ! آپؑ نے اپنے خدا کو کیسے پہچانا؟ آنحضرتؑ نے فرمایا: ارادوں کے ٹوٹنے اور ہمتوں کے پست ہو جانے سے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ جب میں کسی چیز کا ارادہ کرتا ہوں تو وہ میرے اور میرے مقصود کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور جب میں کسی چیز کا عزم کرتا ہوں تو قضائے الٰہی میرے عزم کی مخالفت کرتی ہے۔ لہٰذا اس وجہ سے میں نے یقین کرلیا کہ اُمور کا مدبر اور ان میں تصرف کرنے والا میرے علاوہ کوئی اور ہے۔'' نقلی دلائل بہت ہیں۔ ہدایت تلاش کرنے والوں کے لیے اتنے

Marfat.com

ہی کافی ہیں جن کا ذکر ہوا ہے۔(۱)

معرفتِ خدا تعالیٰ

واجب الوجود کی ذات کی معرفت محال ہے، کیونکہ علم حکمت میں بیان کیا گیا ہے کہ ادراک کرنے والے اور جس کا ادراک کیا جائے، ان دونوں کے درمیان لامحالہ کوئی مناسبت اور مشابہت ہونی چاہیے۔ اگر یہ بات نہ ہوگی تو معرفت و ادراک کی صورت نہ ہوگی۔ لہٰذا اس وجہ سے ذتِ واجب کا ادراک جائز نہیں۔ نہ بطور حضور اور نہ

(۱) اس مضمون کو نہج البلاغہ میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ اس کو ذیل میں ''آؤ رب کو پہچانیں'' سے استفادہ کرتے ہوئے نقل کیا جاتا ہے۔

عرفت الله سبحانه بفسخ العزائم و حل العقود و نقض الهمم

''میں نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا ارادوں کے ٹوٹنے، نیتوں کے بدل جانے اور ہمتوں کے پست ہو جانے سے'' (نہج البالغہ)

مقصد یہ ہے کہ کوئی بھی انسان اپنے تمام ارادوں پر مستقل طور پر قائم نہیں رہ سکتا اور نہ اپنے ارادوں میں کامیاب ہوتا ہے، حالانکہ اس کے ارادہ میں زور اور عزم میں قوت ہوتی ہے۔ بظاہر اسباب و ذرائع بھی مہیا ہوتے ہیں اور کوئی مانع بھی نظر نہیں آتا مگر کوئی غیبی طاقت رکاوٹ بن کر کھڑی ہو جاتی ہے اور اس کے ارادہ و راہ میں حائل ہو جاتی ہے۔ اگر خود اسے یہ طاقت ہوتی تو اپنے ارادوں کو عملی جامہ پہنانے میں مانع ہی کیا تھا اور وہ اپنے ارادہ کی تکمیل کرتا اور اپنے مقصد میں ہمکنار ہوتا۔

مگر عزم و ارادہ کی مضبوطی کے باوجود اس کی ناکامی اس کا ثبوت ہے کہ اس کے ارادوں پر ایسی طاقت حکمران ہے جو چاہے تو اسے تکمیل تک پہنچنے دے اور چاہے تو انہیں ناکام کر دے۔ یہ عزم و ارادہ کی شکست اس بالا دست ذات کی کارفرمائی کا کرشمہ ہے جس کے سامنے انسانی قوتیں سپر انداختہ ہو جاتی ہیں۔ (آؤ رب کو پہچانیں، ص۔۲۷۳۔۲۷۴)

Marfat.com

بطور تصور۔ کیونکہ اس کی کوئی شبیہ اور مثل نہیں ہے جو کوئی کہتا ہے کہ اس (ذات خدا) کا ادراک کیا جا سکتا ہے، وہ کاذب ہے اور عقل و معرفت کے راستے سے دور ہے۔ ممکن صرف ممکن کو سمجھ سکتا ہے (ذات) واجب کو کسی طرح سے نہ سمجھ سکتا ہے اور نہ جان سکتا ہے۔ مشت خاک کو خالق پاک سے کیا نسبت ہے۔ ماللتراب ورب الارباب۔ مخلوق کو خالق، ممکن کو واجب، حادث کو قدیم اور فانی کو باقی سے کوئی مناسبت نہیں ہے کہ اس کی ذات کی معرفت حاصل کر سکے۔ اسی وجہ سے ہمارے پیغمبر ﷺ جو سب پیغمبروں سے افضل ہیں، نے فرمایا:

ماعرفناك حق معرفتك

جب معلوم ہو گیا کہ واجب الوجود کی ذات کی معرفت محال ہے، تو معلوم ہو جانا چاہیے کہ اس میں بحث و تمحیص بھی ایسی ہی ہے، کیونکہ انسان اسی کے متعلق بات کر سکتا ہے جس کو جانتا ہو اور جس کو نہیں جانتا، اس کے بارے میں کلام بھی نہیں کر سکتا۔ عوام علمی مسائل کے بارے میں کلام نہیں کرتے، اس لیے کہ انہیں ان کا علم نہیں ہوتا۔ آئمہ اطہارؑ سے بہت سی احادیث وارد ہیں جن میں انہوں نے ذات الٰہی کے بارے میں کلام کرنے سے روکا ہے۔ عقل جو اپنی معرفت، اس بدن کی معرفت جو اس کا مدبر ہے اور اس سے تعلق رکھتا ہے، اور ان اجسام کی معرفت جو ہمیشہ اس کی نظر میں رہتے ہیں سے عاجز ہے، تو وہ کس طرح جرأت کر سکتی ہے کہ واجب الوجود کی معرفت میں تکلم کرے۔ لہٰذا اس باب میں ایسا اعتقاد رکھنا ہے جو خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمایا اور پیغمبر خدا ﷺ و آئمہ اطہارؑ نے احادیث میں بیان کیا۔ اس کے بعد عبادت کی راہ سے ہدایت کی زیادتی طلب کرے،

Marfat.com

اپنی ناقص عقل کا غرور نہ کرے جو حیرت اور گمراہی کے علاہ کچھ نہیں دیتی۔

ابو بصیر نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ہر چیز کے متعلق بات کرو، لیکن ذات واجب کے متعلق کلام نہ کرو، بے شک اس بارے میں بات کرنے والے کی حیرت اور گمراہی کے علاوہ کسی چیز میں اضافہ نہیں ہوتا۔

حدیث میں وارد ہوا کہ لوگوں نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے توحید اور خدا شناسی کے متعلق پوچھا۔ آپؑ نے فرمایا: خداوند عالم جانتا تھا کہ آخری زمانے میں ایک جماعت باریک بینی سے کام لے گی، تو اس نے سورہ قل ہو اللہ احد اور سورہ حدید کی آیات کو نازل کیا تا کہ وہ اللہ کو اس طریق سے پہچانیں اور جو کوئی اس سے زیادہ تفکر کرے گا، تو وہ ہلاک ہو جائے گا۔

حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ آئمہ اور اوصیاء وہ دروازے ہیں جن کی راہِ متابعت سے خدا تک رسائی ہو سکتی ہے۔ اگر یہ نہ ہوتے تو خدا کی معرفت حاصل نہ ہو سکتی۔ ان سے خدا نے مخلوق پر اپنی حجت کو تمام کیا۔

اکثر عالم کو شیطان نے اس راہ میں فریب دیا ہے اور وہ خدا تعالیٰ، رسول خدا ﷺ اور آئمہؑ کے اقوال سے ہٹ گئے ہیں۔ انہوں نے اپنی کمزور عقل پر اعتماد کیا ہے (ان میں سے) ہر گروہ نے خدا کو اپنے اعتقاد کے مطابق پہچانا ہے۔ انہوں نے خطا کی ہے۔ آخر وہ سوچتے نہیں ہیں کہ اگر عقل کا حکم مستقل ہوتا تو حکماء اور متکلمین کے مختلف گروہ جو سب صاحب عقل ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، اس باب میں کوئی دو گروہ آپس میں متفق نہیں ہیں۔ چنانچہ بعض متکلمین نے اپنی ناقص عقل سے خدا کا جسم مانا ہے اور

Marfat.com

کہتے ہیں کہ وہ ایک نور ہے جو سورج کے لیے چمکتا ہے۔ بعض (لوگ) خدا کو ایک لڑکے (پسر سادہ) کی صورت میں جانتے ہیں اور بعض ایک بوڑھے سفید ریش کی شکل میں جانتے ہیں۔ کچھ ایسے بھی ہیں جو خدا تعالیٰ کے لیے ایک بڑا جسم مانتے ہیں جو عرش پر بیٹھا ہے۔ ایک گروہ کا کہنا ہے کہ خدا نے تمام چیزوں میں حلول کیا ہے۔ عیسائیوں کا ایک گروہ کہتا ہے کہ خدا نے حضرت عیسیٰؑ میں حلول کیا ہے۔ بعض دوسرے دوسری باتوں کے قائل ہوئے ہیں۔ یہ مذاہب رکھنے والے عقل و معرفت کی راہ سے دور ہیں۔

واجب الوجود کے لیے مثل بیان نہیں کی جاسکتی اور نہ اُس کو مثل سے پہچانا جاسکتا ہے۔ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ جو چیز کسی دوسری چیز کے ساتھ کوئی مشابہت اور مناسبت نہیں رکھتی، اس کے لیے مثل بیان نہیں کی جاسکتی۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ہوا خاک کی مثل ہے اور پانی آگ کی مثل ہے۔ گرمی سردی کی مثل ہے۔ اگر مناسبت شرط نہ ہوتی، تو ہر چیز کو ہر دوسری چیز کے مثل کہا جاسکتا۔ جب مناسبت شرط ہے تو ہر چیز کو ہر دوسری چیز کے مثل قرار نہیں دیا جاسکتا۔ لہٰذا واجب الوجود کو ممکن کی مثل نہیں کہا جاسکتا، اس لیے کہ ممکن واجب الوجود سے کسی قسم کا ربط اور مناسبت نہیں رکھتا۔ نیز خدا تعالیٰ کی نہ کوئی شبیہہ ہے اور نہ ہی نظیر جس کو اس کی مثل کہا جاسکے چنانچہ خدا نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

لیس کمثلہ شئی وھو السمیع البصیر (شوریٰ:١١)

کوئی چیز خدا تعالیٰ کی مثل نہیں ہے (اس کی مثال متصور نہیں ہے) اور وہ سمیع

Marfat.com

وبصیر ہے، اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فلا تضربوا للہ الامثال (النحل:٧٤)

''یعنی خدا کی مثل قرار نہ دو'' ۔اس نہی کی وجہ سے خدا کی مثل بیان کرنا حرام ہے۔

نیز ہم کہتے ہیں کہ جب تک تو واجب الوجود کی ذات کو نہ جانے اور پہچانے ،اس وقت تک اس کے لیے مثل بیان نہیں کرسکتا، جیسا کہ ہم نے پہلے کہا کہ واجب الوجود کی ذات کو پہچاننا محال ہے۔لہٰذا اس کے لیے مثل بیان کرنا بھی محال ہے۔جب یہ بات جان لی تو یہ جاننا چاہیے کہ جو شخص خدا تعالیٰ کے لیے مثل بیان کرتا ہے، اس کا اعتقادِ باطل اور اس کی رائے فاسد ہے۔

واجب الوجود کی معرفت سے مراد

اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو اپنی معرفت اور عبادت کے لیے پیدا کیا اور ان دونوں کا نفع ان کو ہی پہنچتا ہے۔ایجاد کی علت غائیہ خداوند عالم کی معرفت ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وما خلقت الجن والانس الا لیعبد ون (الذاریات:٥٦)

یعنی میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا کیا تاکہ وہ میری معرفت حاصل کریں اور میری عبادت کریں۔حدیث قدسی میں وارد ہوا ہے کہ حضرت داوٗد نے عرض کیا: یاالٰہی !عالم وآدم کے خلق کرنے میں کیا حکمت ہے، اللہ نے جواب دیا:

''کنت کنزا مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق لکی اعرف''

Marfat.com

یعنی میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا، کوئی میری معرفت حاصل کرنے والا نہ تھا۔ پس میں نے چاہا کہ لوگ مجھے پہچانیں اور میری اطاعت وعبادت کریں۔ لہٰذا میں نے مخلوق کو پیدا کیا تاکہ مجھے پہچانیں۔

معلوم ہوا کہ پیدائش کا ثمر واجب الوجود کی پہچان ہے اور معرفت کا ثمر عبادت ہے اور عبادت کا ثمر ابدی نعمتیں اور بقائے سرمدی ہے۔ یہ خیال ہرگز نہ کرنا چاہیے کہ (معاذ اللہ) خدا میں کوئی کمی تھی جو بندوں کی تخلیق، ان کی معرفت اور عبادت سے پوری ہوگئی بلکہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہر جہت سے کامل تھا، ہرگز اس میں کوئی نقص یا کمی نہیں تھی اور اس میں کبھی کوئی تغیر واقع نہیں ہوا۔ خلق کرنے سے پہلے، خلق کرنے کے بعد اور خلق کرنے کے وقت وہ ایک حال پر رہا۔ خلق کے متغیر ہونے سے اس میں کوئی تغیر رونما نہیں ہوتا اور مخلوق کی تجدید سے وہ متجدد نہیں ہوتا۔ بلکہ اول وہ ہے۔ آخر وہ ہے، اس کا اول آخر اور آخر اول ہے۔ اس کا خفا عین ظہور اور ظہور عین خفا ہے۔ اس کا قرب عین بعد اور بعد عین قرب ہے۔ پس خدا اس سے بلند و برتر ہے کہ خلق کے سبب کمال حاصل کرے یا اپنی پہچان کرانے میں مخلوق کا محتاج ہو بلکہ مخلوق کی پہچان اس کی وجہ سے ہوتی ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے اور عقل بھی اسی پر گواہی دیتی ہے۔

تخلیق کائنات کی وجہ مخلوق کو فائدہ پہنچانا، انتشار رحمت اور قدرت وعظمت کا اظہار ہے۔ بندوں کا فائدہ مقصود اور انہیں کمال بخشنا ہے نہ کہ واجب الوجود کا خود کامل ہونا۔ لہٰذا معرفت اور عبادت کا فائدہ بندوں کی طرف لوٹتا ہے تاکہ وہ اپنے حصے کو اس سے پالیں۔ تخلیق سے مراد فائدہ لینا نہیں بلکہ خالق کو جود وسخا منظور ہے۔

Marfat.com

گذشتہ صفحات میں یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ ذات واجب کی معرفت اور اس کی کنہ کی پہچان محال ہے۔ اس سلسلے میں بہت سی آیات اور احادیث وارد ہوئی ہیں اور عقل بھی اس بات کا تقاضا کرتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس معرفت کے ہم مکلّف ہیں اور جو ہماری غرض خلقت ہے وہ ذات واجب کی معرفت اور اس کی حقیقت کی معرفت نہیں ہے ورنہ لازم آتا ہے کہ اللہ مخلوق کو اس چیز کا مکلّف ٹھہراتا ہے جس کی اس میں طاقت نہیں۔ لہٰذا یہ معرفت اس کے آثار و افعال کی معرفت ہے نہ کہ اس کی ذات کی۔ اس کے آثار اور مصنوعات مثلاً آسمان، ستارے، زمین اور تمام مخلوقات کے ذریعے سے اس کا سراغ لگایا جائے اور اس کی معرفت حاصل کی جائے۔

امیر المومنینؑ کی تشریح

اللہ تعالیٰ کی ذات کی معرفت محال ہے۔ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ما عرفناك حق معرفتك

حضرت امیر المومنینؑ نے اس مسئلے کی حقیقت کو خوب بیان کیا ہے۔ فرمایا:

من سئل عن التوحید فھو جاھل

یعنی جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی توحید ذاتی جو کہ عین ذات ہے کے بارے میں سوال کیا، وہ جاہل ہے۔ اس کا سوال کرنا بتاتا ہے کہ اسے علم نہیں کہ ذات واجب کو پہچاننا ممکن نہیں۔

ومن اجاب عنه فھو مشرك

جو شخص اس سوال کا جواب دیتا ہے، وہ مشرک ہے، جو کچھ اس نے اس سوال

Marfat.com

کے بارے میں تصور کیا، عقل سے کام لیا اور سمجھا، پھر اس کا جواب دیا، اس نے اس صورت میں ذات واجب کا شریک ٹھہرایا ہے (اس کی دلیل محض تصور پرستی اور قیاس آرائی پر مبنی ہو گی۔)

ومن عرفه فهو ملحد

اور جو شخص ذات وحقیقت واجب کی معرفت کا دعویٰ کرتا ہے، وہ ملحد ہے یعنی اس نے معرفت حق کی راہ سے عدول کیا ہے۔

ومن لم يعرفه فهو كافر

اور جو شخص اس کے آثار وافعال میں نظر کر کے توحید الٰہی کو نہیں پہچانتا اور وہ مصنوعات سے صانع کا سراغ نہیں لگاتا، وہ کافر ہے۔

آپؑ نے بیان فرمادی وہ معرفت جو محال ہے اور وہ معرفت جو واجب ہے۔ خلاصہ یہ کہ معرفت سے مراد آثار کی معرفت ہے اور اس کے مراتب اور مقامات ہیں، ان کی تفصیل کو یہاں پر درج نہیں کیا جاتا۔

نفس کے معانی

اللہ تعالیٰ نے جو حکمتیں انسان کے نفس میں رکھی ہیں اگر کوئی شخص ان میں تھوڑا سا تامل کرے اور غور وفکر سے کام لے تو اس کے لیے صانع کے وجود میں کوئی شک وشبہ نہیں رہتا چنانچہ حضرت امیر المومنینؑ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

من عرف نفسه فقد عرف ربه

یعنی جو اپنے نفس کو پہچان لیتا ہے وہ اپنے رب کو پہچان لیتا ہے۔

Marfat.com

نفس کے بہت سے معانی ہیں۔ایک معنیٰ یہ ہے کہ نفس وہ چیز ہے جس کے تمام ہونے سے زندگی تمام ہو جاتی ہے۔ یہ وہ معنیٰ ہے جو محل بحث واختلاف رہا ہے۔ اسی معنیٰ میں نفس سے مراد روح ہے۔ اسی طرح لفظ روح دس سے زیادہ معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ایک معنیٰ یہ ہے کہ یہ روح حیات یا سبب حیات ہے اور یہ معنی اختلاف و بحث کا محل رہا ہے۔اس کے متعلق لوگوں کے مختلف مکاتب فکر ہیں۔نفس کا ایک اور معنیٰ یہ ہیکل محسوس ہے جس سے بدن عبارت ہے۔ایک اور مکتب فکر (مذہب) کے نزدیک نفس سے مراد روح حیوانی ہے اور اس کے قریب وہ توضیح ہے جو ایک جماعت نے کی ہے کہ نفس ایک جسم لطیف ہے جو اس طرح بدن میں سیر کرتا ہے جس طرح پھول میں پانی اور تل میں تیل۔

حقیقت نفس کے بارے میں ایک مکتب فکر یہ ہے کہ نفس ایک جوہر لطیف ہے جو جسم کے مادہ اور اس کے عوارض سے مجرد ہے اور اس کا بدن سے تعلق ہے، تدبیر اور تصرف کا تعلق ۔موت اس تعلق کو قطع کر دیتی ہے۔ یہ معنیٰ حکماء اور متکلمین میں معروف ہے۔ احادیث بھی اس پر دلالت کرتی ہیں ،نفس کو اس مشہور معنیٰ میں اہل حکمت نفس ناطقہ کہتے ہیں اور اہل شرع کی اصطلاح میں اس کو روح کہتے ہیں۔پس روح اور نفس ناطقہ سے مراد وہ چیز ہے جس کی طرف عربی زبان میں اَنا (میں) اور فارسی زبان میں من (میں) اشارہ کرتا ہے اور یہ بیان وفہم کی استعداد رکھتا ہے۔

خواب اور موت میں فرق

یعنی لوگ کہتے ہیں کہ انسان میں نفس اور روح دونوں موجود ہوتے ہیں۔

Marfat.com

جب آدمی سوجاتا ہے تو اس کا نفس باہر چلا جاتا ہے لیکن روح باقی رہتی ہے اور جب مرجاتا ہے تو نفس اور روح دونوں باہر نکل جاتے ہیں۔ یہی نیند اور موت میں فرق ہے۔ قبض نوم بیداری کی ضد ہے اور قبض موت میں روح بدن سے نکل جاتی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے کہا ہے کہ انسان کے اندر ایک نفس ہے اور ایک روح ہے اور ان کا درمیان شعاع آفتاب کی مانند ہے۔ نفس کی وجہ سے عقل اور تمیز ہے اور روح کی وجہ سے سانس لینا اور حرکت کرنا ہے۔ جب آدمی سوجاتا ہے تو خدا اس کے نفس پر قبضہ کر لیتا ہے اور اس کی روح پر قبضہ نہیں کرتا لہٰذا وہ سانس لیتا ہے اور حرکت کرتا ہے۔ جس وقت وہ مرجاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے نفس اور روح دونوں پر قبضہ کر لیتا ہے۔

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ انسانی نفس سے مراد ایک روحانی روشنی دینے والا جوہر ہے۔ جب اس کا تعلق بدن سے ہوجاتا ہے، تو اس کی روشنی ہر عضو میں آجاتی ہے۔ اس کا نام حیات ہے، موت کے وقت اس کا تعلق بدن کے ظاہر اور باطن دونوں سے منقطع ہوجاتا ہے۔ اس کا نام موت ہے۔ لیکن حالت خواب میں اس کا تعلق صرف ظاہری بدن سے قطع ہوتا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ نیند اور موت دونوں ایک جنس سے ہیں لیکن موت مکمل انقطاع کا نام ہے اور خواب (نیند) بعض وجوہات سے ناقص انقطاع ہے۔ اس وجہ سے حضرت رسول خدا ﷺ نے فرمایا:

النوم اخ الموت

یعنی خواب برادر موت ہے، یعنی خواب موت سے مشابہت رکھتا ہے۔

اس وقت تک کی بحث سے ظاہر ہوتا ہے کہ خداوند عالم نے جوہر نفس کا تعلق

Marfat.com

بدن سے تین طرح کا رکھا ہے:۔

اوّل: یہ ہے کہ نفس کی روشنی بدن کے ظاہری اور باطنی اعضاء پر جلوہ فگن ہوتی ہے۔اور یہی بیداری کی حالت ہے۔

دوم: یہ کہ نفس کی روشنی بدن کے ظاہر اور باطن دونوں سے مکمل طور پر منقطع ہو جاتی ہے۔اس حالت کا نام موت ہے۔

سوم: یہ کہ روشنی صرف ظاہری بدن سے منقطع ہوتی ہے اور باطنی بدن سے قطع نہیں ہوتی۔اس حالت کا نام خواب (نیند) ہے۔

نفس اور روح کی حقیقت اور ماہیت میں بہت سے اقوال ہیں۔اگر ان کا تفصیل سے ذکر کیا جائے تو کلام طولانی ہو جائے گا۔عقلاء اس کی معرفت اور شناخت میں حیران ہوئے ہیں اور اکثر نے اس کے پہچاننے سے عجز کا اعتراف کیا ہے۔حق تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

یسئلونك عن الروح قل الروح من امر ربی

(الاسرا ۱۷:۸۵)

یعنی یہ لوگ آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں تو تم اُن سے کہہ دو کہ روح میرے پروردگار کے حکم سے (پیدا ہوئی ہے)۔کوئی نہیں جانتا کہ یہ کیا چیز ہے۔اس آیت کی اور تفسیر بھی کی گئی ہے۔

حدیث کے چند معانی

(۱)حدیث:(من عرف نفسه فقد عرف ربه)

Marfat.com

سے مراد یہ ہے کہ جس طرح اپنے نفس کو پہچاننا ممکن نہیں اس طرح ذات پروردگار کو پہچاننا ممکن نہیں۔ یہ حدیث اشارہ ہے اپنے نفس کی پہچان کے روکنے سے اگرچہ وہ نہایت ہی قریب ہے اور یہ اشارہ ہے ذات الٰہی کی پہچان کے منع کرنے سے اور اس کی حقیقت کے احاطہ سے جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ حکماء، متکلمین اور دوسرے لوگوں نے نفس اور روح کی حقیقت کے بارے میں بہت اختلاف کیا ہے اور اکثر افراد نے اس کی پہچان سے عجز کا اقرار کیا ہے۔

(۲) دوسری مراد یہ ہے کہ جو آدمی اپنے نفس کو مخلوق ہونے کی حیثیت سے پہچان لیتا ہے تو وہ خدا کو خالق ہونے کی حیثیت سے پہچان لیتا ہے۔

(۳) تیسرے یہ کہ اس حدیث میں نفس سے مراد نفس ناطقہ ہے جو روح ہے۔ روح دس اعتبار سے خالق عالم کے ثبوت پر دلیل ہے۔ اس کی وحدت اور اس کی صفات پر۔

نفس ناطقہ سے وجود خالق پر استدلال

(۱) روح جسم کو حرکت دیتی ہے اور اس میں تدبیر کرتی ہے۔ روح کے بغیر جسم حرکت نہیں کرتا۔ لہٰذا عقل فیصلہ کرتی ہے اور اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ ضروری ہے کہ اس عالم کبیر۔ آسمان، زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، کے لیے بھی ایک حرکت دینے والا اور مدبر ہے اور یہی خدا ہے۔

(۲) روح جو کہ بدن کو حرکت دینے والی اور مدبر ہے، اس کی وحدت خدا کی وحدت پر دلالت کرتی ہے جو اس عالم کو حرکت دینے والا اور مدبر ہے۔

Marfat.com

(۳) جس طرح روح قدرت رکھتی ہے کہ جس طرح چاہے جسم کو حرکت دے اور اس میں تدبیر کرے، یہ بات اشارہ کرتی ہے خدا کے قادر ہونے پر۔ یعنی جس طرح وہ چاہتا ہے عالم کبیر کو حرکت دیتا ہے اور اس میں تدبیر کرتا ہے۔

(۴) جس طرح روح کو بدن کی ہر چیز کے متعلق علم ہے اسی طرح خدا کو ہر چیز کا علم ہے۔ یہ بات دلالت کرتی ہے کہ علم خالق تمام موجودات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

(۵) روح کی نسبت تمام اعضائے بدن کے ساتھ مساوی ہے اسی طرح تمام مخلوقات کے ساتھ اللہ کی نسبت ہے۔

(۶) روح کی خلقت کا بدن پر مقدم ہونا اس پر دلالت کرتا ہے، کہ خدا کی ذات قدیم اور ازلی ہے۔ یعنی خدا ہمیشہ سے ہے اور اس کے وجود کے لیے ابتداء نہیں ہے۔ نیز جسم کے فنا ہونے کے بعد روح کا باقی رہنا اشارہ ہے خدا کے ابدی ہونے پر یعنی خدا ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے انتہاء نہیں ہے۔

(۷) کسی شخص کا روح کی کیفیت کا علم نہ رکھنا اور حقیقت روح سے مطلع نہ ہونا دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ ذات الٰہی کی حقیقت کا احاطہ ممکن نہیں ہے۔

(۸) جسم میں روح کے محل کا علم نہ رکھنا اور پتہ نہ چلنا کہ وہ جسم کے کس حصے میں ہے، دلالت کرتا ہے کہ اللہ کا کوئی خاص مکان نہیں ہے یعنی وہ لامکان ہے۔

(۹) جس طرح روح کو مس نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح اللہ کو مس نہیں کیا جاسکتا۔

(۱۰) جس طرح روح کو دیکھنا ناممکن ہے اسی طرح ذات الٰہی کا دیکھنا محال ہے۔

اوپر کی بحث اس حدیث کے معانی پر روشنی ڈالتی ہے کہ جو شخص اپنے نفس یعنی روح کو

Marfat.com

پہچان لیتا ہے وہ بے شک اپنے خدا کو پہچان لیتا ہے۔

(۴) اس حدیث (من عرف نفسه فقد عرف ربه) کا چوتھا معنی یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ اس میں لفظ نفس کا مطلب یہی ہیکل محسوس (جسم) ہے اور پانچویں فصل میں ہم نے کہا کہ خداوند عالم نے اپنی معرفت کے لیے مخلوق کو پیدا کیا اور اس باب میں جو آیہ شریفہ اور حدیث قدسی وارد ہوئی ہیں ہم نے ان کو بیان کیا۔ نیز ہم نے چوتھی فصل میں کہا کہ ذات خدا کو پہچاننا محال ہے۔ لہٰذا اس مقام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معرفت حق تعالیٰ جس کے ہم مکلّف ہوئے ہیں اور جس کے سبب اللہ تعالیٰ نے ہمیں خلق فرمایا ہے، وہ ذات الٰہی کی معرفت نہیں ہے وگرنہ لازم آتا ہے کہ حق تعالیٰ مخلوق کو تکلیف مالایطاق (ایسی ذمہ داری جس کو انسان پورا کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو) دیتا ہے۔ لہٰذا اس معرفت کا مطلب ہونا چاہیے اس کے آثار وافعال سے معرفت حاصل کرنا۔ پس اس کی مخلوقات اور مصنوعات سے معرفت حاصل کرنی چاہیے اور اس کی قدرت کے صنائع وبدائع، اور عجائب وغرائب جو کہ اس نے آسمان وزمین میں خلق کیے ہیں، کو دیکھنے اور جاننے سے اس کو پہچاننا چاہیے۔ یہ بھی جاننا چاہیے کہ حق تعالیٰ نے مخلوق کو اپنی قدرت کے آثار وآیات کو دیکھنے اور جاننے کی استعداد بھی دی ہوگی ورنہ بغیر استعداد مخلوق کا ان کو دیکھنا اور جاننا ممکن نہ ہوگا۔ پس جب مخلوق کے لیے ممکن نہ تھا کہ انسان پہاڑوں کی گہرائیوں میں جائیں اور اسرار سفلی کا مشاہدہ کریں، آسمان کی جانب پرواز کریں اور حقائق علوی کو دیکھیں اور تمام ملکوت میں ارواح، عقول اور نفوس کے احوال کو معلوم کریں تاکہ تمام صفات الٰہی پر مطلع ہوں نیز اس کی قدرت کے

Marfat.com

صنائع وبدائع اور عجائب وغرائب کو پہچانیں۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے جو کچھ عالم میں پیدا کیا ہے اس کی شبیہہ انسان کے بدن میں پیدا کی اور جس صفت کے ساتھ وہ خود موصوف ہے، خلق کو بھی اسی صفت کے ساتھ موصوف کیا۔ جس طرح کہ عالم اس کے امر سے مسخر ہے اسی طرح انسان کا بدن اس کی روح کے لیے مسخر بنایا تا کہ مخلوق اپنے وجود کے اعضاء کی ترکیب اور اجزا کی ترتیب، اور جو کچھ اس کے بدن میں خلق کیا گیا ہے، سے اطلاع حاصل کر کے عالم سفلی کے اسرار، عالم علوی کے دقائق اور عالم ملکوت کے حالات سے اطلاع حاصل کریں اور اپنی صفات کو جاننے سے صفات حق کی پہچان کریں۔ جس طرح مخلوق کی روح اس کے بدن میں حکمران ہے، اس سے یہ خدا کی عالم میں حکمرانی کا مشاہدہ کریں۔

ای نسخہ نامہء الٰہی کہ توئی
وی آئینہء جمال شاہی کہ توئی
بیرون ز تو نیست ہر چہ در عالم ہست
و ز خود بطلب ہر آنچہ خواہی کہ توئی

اے انسان! اللہ کی تحریر کا نسخہ تو ہی ہے۔ بادشاہ حقیقی کے حسن کا آئینہ تو ہی ہے۔ جو کچھ جہان میں ہے، وہ تجھ سے باہر نہیں۔ اپنے اندر ہر اس شے کو تلاش کر جس کی تجھے طلب ہے کیونکہ وہ تو ہی ہے۔

حقیر نے حدیث کے اس معنیٰ کی تفصیل کو کتاب بحر الفوائد میں لکھا ہے۔ چونکہ اس رسالہ کی بنیاد اختصار پر ہے، اس لیے ہم نے یہاں مختصر بیان کیا ہے۔

Marfat.com

جسم اور روح کا عجیب تعلق

جسم وروح کی ترکیب ایک نہایت ہی عجیب کام ہے کیونکہ روح نورانی ہے اور جسم ظلمانی، روح علوی اور جسم سفلی، روح لطیف ہے اور جسم کثیف ہے، روح کو معرفت حق سے خوشی اور ذکرالٰہی سے سرور حاصل ہوتا ہے جب کہ جسم کو محسوسات سے لذت اور مشتہیات (مادی ضروریات) سے محبت ہوتی ہے۔ لہٰذا روح کی تمام کیفیتیں جسم کے احوال کی ضد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں کے درمیان جو کہ ایک دوسرے کی ضد ہیں، ترکیب دی ہے اور یہ بہت ہی عجیب ہے۔ آب لطیف اور خاک کثیف کے درمیان محبت قرار دینا۔ آب متحرک اور خاک ساکن، آب تر اور خاک خشک۔ نیز بہت عجیب ہے پانی اور آگ کے درمیان محبت کا جذبہ پیدا کرنا۔ مٹی اور پانی نیچے کی جانب مائل ہیں اور ہوا اور آگ بلندی چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان متضاد عناصر کے درمیان آمیزش اور رفاقت کا تعلق قائم کیا ہے۔ ہر نقاش اپنے نقش کو چار چیزوں سے بچاتا ہے۔ پہلے خاک سے تاکہ اس کی طراوت کو ختم نہ کردے۔ دوسرے پانی کہ اس کے نقوش کو تباہ نہ کردے۔ تیسرے ہوا تاکہ اس کو متغیر نہ کردے اور چوتھے آگ تاکہ اس کو جلا نہ دے۔ عجیب بات ہے حق تعالیٰ نے ان سب کو انسان کی نقاشی میں جمع کردیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آسمان، زمین، عناصر اربعہ اور ان کے علاوہ دوسری چیزوں کو پیدا کرنے میں قرآن میں اپنی مدح و تعریف نہیں کی، لیکن خلقت انسان میں، اس کی پیدائش کے چند مراتب کا ذکر کرنے کے بعد اپنی مدح کی ہے۔ الفاظ یہ ہیں:

فتبٰرك الله احسن الخٰلقين (المئومنون:۱۴)

پس خدا بابرکت ہے جو سب بنانے والوں سے بہتر ہے۔

Marfat.com

معرفت نفس

انسانی جسم نسخہ عالم ہے۔حق تعالیٰ نے انسان کو عالم کے برابر پیدا کیا ہے۔چنانچہ آیہ شریفہ میں فرمایا ہے:

سنریھم اٰیٰتنافی الافاق وفی انفسھم حتی یتبین لھم انه الحق (حٰمٓ السجدة۴۱:۵۳)

یعنی عنقریب ہم انہیں اپنی توحید اور قدرت کی نشانیاں دکھائیں گے جو کہ اطراف عالم اور آسمان وزمین میں ہیں یعنی چاند،سورج،نباتات،دریا،پہاڑ،چارپائے اور ان کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی مصنوعات اور یہ آیات ان کے نفس میں بھی موجود ہیں۔صنعت خداوندی کے لطائف،حکمت الٰہی کے بدائع اور حسن صورت۔ان میں تامل اور غور وفکر کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ خداوند عالم کی ہستی موجود ہے اور اس کی وحدت بھی ظاہر ہوتی ہے۔یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ وہ حق ہے اور ثابت ہے۔نیز اللہ تعالیٰ نے دو آیات میں فرمایا ہے:

وفی الارض اٰیٰت للموقنین۔ وفی انفسکم افلاتبصرون(الذاریات:۲۰۔۲۱)

یعنی زمین میں یقین کرنے والوں کے لیے خدا کی ہستی کی نشانیاں ہیں اور تمہارے نفسوں میں بھی علامات ہیں۔کیا تم انہیں نہیں دیکھتے ہو۔امیر المومنینؑ نے بھی فرمایا ہے:۔

دوائك فیك وما تشعر
ودائك فیك وما تبصر
وتزعم انك جرم صغیر
وفیك انطوی العالم الاکبر

Marfat.com

یعنی تیری جہالت کے مرض کی دوا تیرے سامنے ہے لیکن تو سمجھتا نہیں ہے اور تیری بیماری بھی تجھ میں ہے مگر تو اسے نہیں دیکھتا، یعنی خودشناسی سے کام لے اور سمجھ لے کہ خدا تعالیٰ نے اپنی صنعت کی عجیب باتیں اور اپنی حکمت کی لطافتیں کس قدر تیرے جسم کے اندر رکھی ہیں تا کہ تو جان لے اور خدا کے بارے میں تیری لاعلمی دور ہو جائے۔ دوسرے شعر میں فرماتے ہیں کہ تو گمان کرتا ہے کہ تو ایک چھوٹا سا جسم ہے حالانکہ تجھ میں عالم اکبر مخفی ہے جو کچھ اللہ تعالیٰ نے عالم اکبر میں پیدا کیا ہے، تیرے جسم میں بھی پیدا کیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مرض جہالت کی دوا انسان کے اندر موجود ہے۔ اس لیے آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ علم آسمان میں نہیں ہے کہ تمہاری جانب نازل ہو اور نہ زمین کے اندر ہے کہ تمہاری جانب بلند ہو، بلکہ وہ تمہارے اندر پنہاں ہے اور تمہارے دلوں کے اندر مخفی ہے۔ اپنے اندر روحانیت کا اخلاق پیدا کر و تا کہ علم تم پر ظاہر ہو جائے۔

یہ بھی جاننا چاہیے کہ انسان کا جسم زمین کے مشابہہ ہے اور آسمان سے کئی قسم کی مشابہت رکھتا ہے، سال (جو کہ زمان ہے) سے مشابہت رکھتا ہے اور شہر (جو کہ مکان ہے) سے بھی مشابہہ ہے مگر زمین کے ساتھ مشابہت کہ زمین میں پہاڑ ہیں، اس کی مثل انسان کے جسم میں ہڈیاں ہیں اور زمین میں بڑے بڑے درخت ہیں اور اس کی مشابہت انسان کے جسم میں سر اور داڑھی کے بال ہیں اور زمین میں چھوٹی چھوٹی نباتات ہیں اس کی مشابہت انسان کے بدن میں سر اور داڑھی کے علاوہ باقی

Marfat.com

اعضا پر بال ہیں۔۔۔اور زمین میں زلزلہ آتا ہے اس کی مشابہت انسان کے بدن میں چھینک کے ساتھ ہے۔۔۔(☆)

۔۔۔انسانی جسم عالم کبیر کے ساتھ بہت سی مشابہت رکھتا ہے۔ چنانچہ بعض نے کہا سینہ بجائے بحر ہے اور کان صدف کی مانند۔ بعض نے کہا ہے کہ کان بجائے افلاک ہیں اور قلب بجائے عرش۔ کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ قلب بجائے زمین ہے۔ سانس لینا بجائے ہوا۔ منہ بجائے آب اور قوت لامسہ بجائے خاک ہے۔۔۔(☆☆)

(المختصر مصنف نے بہت سی مشابہتیں بیان کی ہیں) حاصل کلام یہ کہ جو کچھ عالم میں مفصل موجود ہے وہی انسانی جسم میں مجمل موجود ہے۔ اس لیے انسان کو عالم صغیر کہا گیا ہے اور اس کے غیر کو عالم کبیر۔ لہٰذا عالم صغیر کی معرفت گویا عالم کبیر کی معرفت ہے اور عالم کبیر کی معرفت سے خداوند عالم کی معرفت حاصل ہوتی ہے، اسی لیے کہا گیا ہے کہ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ۔

توحید خدا تعالیٰ

توحید خدا تعالیٰ کے متعلق بہت سی دلیلیں ہیں۔ اختصار کے پیش نظر یہاں پر صرف آٹھ دلیلیں پیش کی جاتی ہیں۔

پہلی دلیل

اگر انسان بصیرت کی آنکھ سے دیکھے، غور و فکر سے کام لے اور عالم روحانی اور

(☆) اس مقام پر مشابہت کی باقی تفصیل کو حذف کر دیا گیا ہے۔
(☆☆) تفصیل کو چھوڑ دیا ہے۔

Marfat.com

عالم جسمانی کے نظم ونسق کو دیکھے کہ وہ کس طرح ایک طریقے پر ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، تو اُسے یقین ہو جاتا ہے کہ یہ ارتباط کسی صانع کے کے بغیر قائم نہیں ہوسکتا۔ اس کی عقل فیصلہ کرتی ہے کہ یہ نظم ونسق ایک صاحب اختیار کے بغیر پیدا نہیں ہوسکتا۔ اگر ایک مملکت میں دو بادشاہ ہوں، تو ممکن نہیں ہے کہ اس کا حال ایک ہی نظم پر رہے، بلکہ اس میں فساد برپا ہو جائے گا۔ اجزائے عالم کے انتظام میں یک رنگی صانع کے واحد ہونے پر برھان قاطع ہے۔ اسی مضمون کو حق تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے:۔

لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا (الانبیاء :۲۲)

یعنی اگر زمین وآسمان میں خدائے واحد کے علاوہ چند اور خدا ہوتے تو بے شک زمین وآسمان میں فساد برپا ہو جاتا اور ان کے امور میں خرابی واقع ہو جاتی (۲)

دوسری دلیل

ہر انسان سختیوں میں جب اس کا ہاتھ تمام اسباب وعلل سے چھوٹ جاتا

(۲) تفسیر نمونہ جلد ۱۳ میں آیت کی تفسیر کرتے ہوئے ''دلیل تمانع'' بیان کی گئی ہے۔ اس کے متعلقہ اقتباسات ذیل میں دیے جاتے ہیں۔ ان سے زیر حوالہ دلیل کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے۔

> وہ دلیل جو مذکورہ بالا آیت میں توحید کے اثبات اور کئی معبودوں کی نفی کے بارے میں بیان کی گئی ہے۔ سادہ، آسان، روشن اور واضح ہونے کے باوجود اس سلسلے کی دقیق فلسفی دلیلوں میں سے ایک ہے کہ جسے علماء ''برھان تمانع'' کے عنوان سے یاد کرتے ہیں۔ اس دلیل کا خلاصہ اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے:۔
>
> ہم بلا شک وشبہ اس جہان میں ایک نظام واحد کو حکم فرما دیکھ رہے ہیں۔ ایسا نظام کہ جو تمام جہات سے (جاری ہے)

Marfat.com

ہے، فطری اور طبعی توجہ سے اس کی پناہ ڈھونڈتا ہے جو اس کا خالق ہے اور کسی وجہ سے اس کے دل میں یہ خیال نہیں آتا کہ وہ کس خدا کی جانب متوجہ ہو بلکہ قطع اسباب کی وجہ سے وہ یقینی طور پر اپنے خدا کو ایک سمجھتا ہے اور اسی کی پناہ تلاش کرتا ہے۔ پس جس

(حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ) ہم آہنگ ہے۔ اس کے قوانین ثابت اور آسمان وزمین میں جاری ہیں۔ اس کے پروگرام آپس میں منطبق اور اس کے اجزاء متناسب ہیں۔ قوانین کی یہ ہم آہنگی اور نظام آفرینش اس بات کی ترجمانی کرتے ہیں کہ ان سب کا سرچشمہ ایک ہی مبداء ہے کیوں کہ اگر متعدد مبداء ہوتے اور اس میں متعدد ارادے کارفرما ہوتے تو یہ ہم آہنگی ہرگز موجود نہ ہوتی اور وہی چیز کہ جسے قرآن "فساد" سے تعبیر کرتا ہے، دنیا میں صاف طور پر نظر آتی۔
(تفسیر نمونہ جلد ۱۳، ص۔ ۲۸۶)

بعدازاں کسی کتاب کے لکھنے والوں کی مثال دے کر "آفرینش عالم کی عظیم کتاب" کی بات کی ہے اور اس کو زیر بحث لاکر لکھتے ہیں:۔

عالم آفرینش کی عظیم کتاب ___ کہ جس کی عظمت اس قدر ہے کہ ہم اپنے پورے وجود کے ساتھ اس کی عبارات کے اندر گم ہو جاتے ہیں، اس پر یہی قانون جاری ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ ہم اپنی ساری عمر میں بھی اس تمام کتاب کا مطالعہ نہیں کر سکتے لیکن اتنی ہی مقدار کہ جس کے مطالعہ کی ہمیں اور دنیا کے تمام علماء کو توفیق ہوئی ہے، اس میں ایسی ہم آہنگی پائی جاتی ہے کہ جو اس کے مئولف کی وحدت کی بخوبی حکایت (بیان) کرتی ہے، ہم اس عظیم کتاب کی جتنی بھی ورق گردانی کرتے ہیں، ہر جگہ ایک عالمی نظام، نظم وضبط اور ناقابل توصیف ہم آہنگی اس کے کلمات، سطور اور صفحات میں نمایاں ہے (ایضا صفحہ ۲۸۷)

اس کے بعد زیر حوالہ تفسیر میں اسی آیت کے ذیل میں ایک سوال قائم کرکے اس کا جواب دیا ہے۔ اس کو بھی نیچے نقل کیا جاتا ہے:۔

سوال یہ ہے کہ جہان میں خداؤں کا تعدد اس صورت میں (جاری ہے)

Marfat.com

طرح خدا کی معرفت فطری ہے، اسی طرح اس کا یکتا اور بے نظیر ہونا بھی فطری ہے۔

(گزشتہ سے پیوستہ) موجب فساد ہے جب کہ وہ ایک دوسرے کے مقابلے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں لیکن اگر ہم اس بات کو قبول کرلیں کہ وہ (خدا) حکیم اور آگاہ ہیں تو حتمی طور پر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے عالم ہستی کا نظام چلائیں گے۔

اس سوال کا جواب زیادہ پیچیدہ نہیں ہے۔ ان کا حکیم و دانا ہونا ان کے تعدد کو ختم نہیں کرتا جب ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ متعدد ہیں تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ ہر لحاظ سے ایک نہیں ہیں، کیوں کہ اگر وہ تمام جہات سے ایک ہوں تو پھر وہ ایک خدا ہو جائیں گے۔ اس بنا پر جہاں تعدد ہے، وہاں حتمی طور پر تفاوت اور اختلافات موجود ہوں گے کہ جو چاہنے اور نہ چاہنے (دونوں صورتوں میں) ارادہ و عمل پر اثر انداز ہوں گے اور جہان ہستی کو حرج مرج اور بگاڑ کی طرف کھینچ کر لے جائیں گے (غور کیجئے گا)۔ اس ''برھان تمانع'' کو دوسری صورتوں میں بھی بیان کیا گیا ہے جو ہماری بحث کی حدود سے باہر ہے۔۔۔ (ایضاً ص۔ ۲۸۷۔ ۲۸۸)

تفسیر نمونہ کی اسی جلد میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مزید لکھا ہے:۔

یہ بات خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ اس حدیث میں کہ جو ہشام بن حکم نے امام صادق علیہ السلام سے نقل کی، اس طرح بیان ہوا ہے کہ امامؑ نے ایک بے ایمان شخص کے جواب میں کہ جو خدا کے تعدد کے بارے میں بات کر رہا تھا' فرمایا:۔

''یہ دو خدا جو تو کہتا ہے یا تو دونوں قدیم و ازلی اور طاقتور ہیں، یا دونوں ضعیف و ناتواں ہیں یا ان میں سے ایک قوی ہے اور دوسرا ضعیف و کمزور ہے۔ اگر دونوں قوی ہوں تو پھر ان میں سے ہر ایک دوسرے کو ہٹا کیوں نہیں دیتا اور عالم کی تدبیر اکیلا ہی اپنے ہاتھ میں کیوں نہیں لے لیتا اور اگر تیرا گمان یہ ہے کہ ان میں سے ایک قوی ہے اور دوسرا ضعیف ہے تو تو نے خدا کی توحید کو قبول کرلیا ہے کیوں کہ دوسرا تو ضعیف و کمزور ہے، لہٰذا وہ خدا نہیں ہے اور اگر تو یہ کہے کہ وہ دو ہیں تو معاملہ دو حالت سے خالی نہیں ہے یا تو وہ تمام جہات سے متفق ہیں یا مختلف ہیں لیکن جب کہ ہم نظام خلقت کو منظم دیکھ رہے ہیں۔ آسمان کے ستارے اپنے اپنے (جاری ہے)

Marfat.com

تیسری دلیل

تمام انبیاء، اوصیاء، اولیاء اور عقلاء نے خدا کے ایک ہونے پر اتفاق کیا ہے، ان کے اتفاق سے یقین حاصل ہو جاتا ہے کہ انہوں نے غلطی نہیں کی اور انہوں نے جھوٹ نہیں بولا چنانچہ تواتر یقین کا فائدہ دیتا ہے۔

(گزشتہ سے پیوستہ) مخصوص راستوں پر چل رہے ہیں، رات اور دن ایک خاص نظم وضبط کے ساتھ ایک دوسرے کے بعد آتے ہیں اور سورج اور چاند ہر ایک اپنا ایک خاص نظام رکھتا ہے۔ تدبیرِ جہان کی یہ ہم آہنگی اور اس کے امور کا نظم وضبط اس بات کی دلیل ہے کہ وہ مدبر عالم ایک ہے۔

اس سے قطع نظر اگر تیرا پھر بھی یہی دعویٰ ہو کہ خدا دو ہیں تو لازمی طور پر ان کے درمیان کوئی فاصلہ (یا کسی قسم کا امتیاز) ہونا چاہیے تا کہ ان کے درمیان دوئی مانی جا سکے۔ تو یہاں یہ فاصلہ (امتیاز) خود ایک تیسرا موجود ازلی ہو جائے گا اور اس طرح خدا تین ہو جائیں گے اور اگر تم یہ کہو کہ وہ تین ہیں تو پھر ان کے درمیان دو فاصلے (امتیاز) ہونے چاہئیں، تو اس صورت میں تو پانچ قدیم وازلی وجودوں کا قائل ہو جائے گا اور اس طرح سے یہ تعداد بڑھتی ہی چلی جائے گی۔ جس کی کوئی حد یا انتہا نہ ہوگی (ایضاً ص۔ ۲۸۸)

اس مبحث کے آخر میں لکھا ہے:۔

ھشام بن حکم نے امام صادق علیہ السلام سے پوچھا:۔

ما الدلیل علی ان اللہ واحد؟ قال: اتصال التدبیر و تمام الصنع، کما قال اللہ عزوجل: لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا۔

(یعنی) خدا کے ایک ہونے کی دلیل کیا ہے؟ تو آپؑ نے فرمایا: تدبیر جہاں میں نظم و ضبط اور ہم آہنگی اور خلقت کا ہر طرح سے کامل ہونا، جیسا کہ خدا فرماتا ہے:

لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا

(اگر آسمان و زمین میں اللہ کے علاوہ اور بھی خدا ہوتے تو تمام نظام جہاں بگڑ جاتا) (ایضاً صفحہ۔ ۲۸۹)

Marfat.com

چوتھی دلیل

ایسے معجزات جو انسانی طاقت سے باہر ہیں۔ ان کا صادر ہونا مثلاً مردہ کا زندہ کرنا، چاند کا دو ٹکڑے کر دینا، عصا کا سانپ بنانا اور ان ہی کی مانند دوسرے معجزات جو ان پیغمبروں کے ہاتھوں رونما ہوئے جنہوں نے دعویٰ کیا کہ ہم اس خدا کی جانب سے آئے ہیں جو واجب الوجود بالذات ہے، واحد، یکتا، لاشریک اور بے نظیر ہے۔ یہ دلیل ہے کہ خدائے واحد موجود ہے جو یہ سب باتیں پیغمبروں کے قول کی سچائی کے لیے ظاہر کرتا ہے۔ اگر خدا ایک سے زیادہ ہوتے تو چاہیے تھا کہ دوسرا خدا بھی اپنی معرفت اور عبادت کروانے کے لیے کوئی کتاب اور کوئی پیغمبر بھیجتا اور اپنے آپ کی خبر دیتا۔ حالانکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر آئے۔ ان سب نے ایک خدا کی خبر دی اور کسی دوسرے کی خبر نہ دی۔ اگر خدا کا کوئی شریک ہوتا تو وہ ان پیغمبروں کو منع کرتا جو خدا کی توحید کی جناب الٰہی سے خبر لاتے تھے، اور ان کو دروغ (جھوٹ) کہنے سے متنبہ کرتا۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اُسے پیغمبروں کو زیر کرنے کی قوت حاصل نہیں ہے، تو اس سے عجز لازم آتا ہے لہٰذا وہ عاجز ہے۔۔ واجب الوجود میں ایسی کوئی صفت تصور نہیں کی جاسکتی۔ نیز یہ لازم تھا کہ سچا خدا پیغمبروں کو غلط اطلاع دینے سے منع کرتا۔ وہ یہ کیسے پسند کر سکتا ہے کہ پیغمبر غلط خبر پہنچائے اور خدا تو اس کو معجزہ دیتا ہے کہ اس کی اطلاع سچائی کی صورت میں نمایاں ہو جائے وہ ظلم اور بُرے فعل سے راضی نہیں ہوتا۔

Marfat.com

پانچویں دلیل

اگر دو واجب الوجود بالذات ہوں گے، تو وجوبِ وجودان کے درمیان مشترک ہوگا۔ چونکہ دوئیت (دو ہونے) کے لیے امتیاز لازم ہے، لہٰذا ان میں سے ہر ایک میں کوئی ایسی چیز ہونی چاہیے جو دوسرے میں نہ ہو، تاکہ دوئی حاصل ہو۔ پس دو واجب میں سے ہر ایک دو چیزوں سے مرکب ہوگا۔ ایک وجوبِ وجود جوان کے درمیان مشترک ہے اور دوسرے وہ چیز جس سے وہ ایک دوسرے سے جُدا ہوتے ہیں۔ حالانکہ واجب الوجود مرکب نہیں ہوسکتا کیونکہ ترکیب نقص ہے اور نقص واجب الوجود کے لیے جائز نہیں۔ اس سے لازم آتا ہے کہ دونوں ہی ناقص ہوں گے۔ لہٰذا واجب الوجود کو ایک ہی ہونا چاہیے۔

چھٹی دلیل

اگر واجب الوجود ایک سے زائد ہوتے اور جو آثار ہم دیکھ رہے ہیں، ان دونوں کی تخلیق ہوتے تو اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ موجودان دونوں کی تاثیر سے بنا ہے یا یہ کہ ایک نے اثر کیا ہے اور دوسرے نے نہیں۔ اگر دونوں نے تاثیر کی ہے یا یہ کی ہر ایک مستقل تاثیر میں رہا ہے تو اس صورت میں لازم آتا ہے کہ دو مستقل علتیں ایک معلول پروارد ہوتی ہیں جو عقل کی رو سے محال ہے۔ اگر ہر ایک بنفسہٖ ایجاد کی قوت نہ رکھتا ہو، بلکہ دونوں نے باہم تاثیر کی ہو تو دونوں عاجز ہوں گے۔ لہٰذا کوئی بھی خدا نہ ہوگا کیونکہ واجب الوجود کے لیے عجز جائز نہیں ہے اور اگر ایک نے خلق کیا ہے اور دوسرے کا اس میں کوئی دخل نہ تھا، تو خدا وہی ایک ہے۔

Marfat.com

ساتویں دلیل

اگر واجب الوجود دو ہوں مثلاً ان میں سے ایک کسی چیز کو خلق کرنے کا ارادہ کرتا ہے اور دوسرا چاہتا ہے کہ وہ حالت نیستی میں رہے۔ اگر اس صورت میں دونوں کا ارادہ عمل میں آئے، تو لازم آتا ہے کہ وہ چیز موجود ہو اور معدوم بھی، لیکن یہ محال ہے۔ اگر دونوں میں سے ایک کا ارادہ عملی صورت اختیار کرے گا تو وہ خدا ہوگا اور جس کا عمل میں نہیں آیا، وہ خدائی کے لیے سزاوار نہ ہوگا، کیوں کہ وہ عاجز ہے اور عجز واجب الوجود کے لیے روا نہیں۔ اگر کسی کا ارادہ بھی عمل میں نہیں آتا، تو کوئی بھی خدائی کے لائق نہ ہوگا، کیوں کہ دونوں عاجز ہوں گے۔

آٹھویں دلیل

اگر کوئی تھوڑا سا بھی غور کرے تو اس کو یہ بات عقل کی رو سے معلوم ہو جائے گی کہ شریک رکھنا نقص ہے اور یکتا و یگانہ ہونا کمال عزت ہے، واجب الوجود کی جانب نقص کی نسبت دینا مناسب نہیں کیوں کہ اس کے لیے نقص جائز نہیں ہے، لہٰذا چاہیے کہ واجب الوجود کا کوئی شریک نہ ہو۔

تصور کے اعتبار سے توحید سے عبارت یہ ہے کہ مکلّف واجب الوجود کو ہر جہت سے یگانہ سمجھے یعنی اس سے مراد توحید ذاتی، توحید صفاتی، توحید خلقی اور توحید عبادتی ہوگی، لہٰذا خدا نہ تو خدائی میں کوئی شریک رکھتا ہے اور نہ موجودات کے خلق کرنے میں۔

مجوس کا یہ قول کہ وہ یزدان واہرمن اور نور وظلمت کے قائل ہیں،

Marfat.com

باطل ہے۔(۳)

---

(۳)ثنویہ کی تردید۔

ثنویہ ''نور'' اور ''ظلمت'' کے قائل ہیں، اس طرح ''یزداں'' اور ''اہرمن'' یعنی دوخدا مانتے ہیں۔ یہ نظریہ اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ ''خزینہ ایمانیہ ترجمہ حدیقہ سلطانیہ'' میں اس باطل فرقے کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

> حضرت مولانا طبرسی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب احتجاج طبرسی میں تحریر کیا ہے کہ آنحضرت رسول خدا ﷺ نے ثنویہ پر احتجاج (استدلال) قائم کیا کہ کیا چیز تمہارے لیے اس کا باعث ہوئی کہ تم نے دوخدا قرار دیئے تو کہنے لگے کہ ہم نے عالم دنیا کو دو قسموں پر پایا۔ ایک قسم خیر ہے اور دوسری شر، اور خیر شر کی ضد ہے۔ لہٰذا ہم اس کے قائل ہو گئے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک اپنا جداگانہ فاعل اور علیحدہ خالق رکھتا ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ برف سے گرمی کے اثر کا ظاہر ہونا محال ہے جیسے کہ آگ سے سردی کے اثر کا ظہور ناممکن ہے۔ لہٰذا اس وجہ سے ہم ایسے دو خالقوں کے قائل ہوئے جو کہ قدیم ہیں۔ ایک ظلمت کے لیے اور دوسرا نور کے لیے۔

آنحضرت جناب رسالت مآب ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تم اسی عالم دنیا میں سیاہی، سفیدی، سرخی، زردی، سبزی اور کبودی ''یعنی نیلے رنگ'' کو نہیں پاتے ہو۔ کیا یہ متضاد رنگ اسی عالم میں موجود نہیں ہیں' ہر ایک ان میں سے دوسرے کی ضد ہے، کیوں کہ ان میں سے دو رنگ بیک وقت محل واحد میں جمع نہیں ہو سکتے۔ ثنویہ نے کہا کہ بے شک یہ متضاد رنگ دنیا میں موجود ہیں۔ تو حضرت ﷺ نے فرمایا کہ پھر تم نے ان رنگوں میں سے ہر رنگ کے لیے ایک جداگانہ اور علیحدہ خالق کیوں نہ قرار دیا تاکہ تم اتنی تعداد میں خداؤں کے قائل ہو جاتے، جتنی تعداد میں رنگ موجود ہیں؟ کیسے تم نے یہ قرار دیا کہ ان اضداد کثیرہ میں سے دو ضدیں ایک فاعل سے ظہور پذیر ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کا یہ کلام حق ترجمان سن کو ثنویہ نے اپنے لب ودہن پر مہر سکوت لگا دی اور بحر شرمندگی میں غوطہ زن ہو گئے۔

(خزینہ ءایمانیہ، ترجمہ حدیقہ سلطانیہ، مع توضیحات نورانیہ، جلد اول۔ ص۔ ۱۳۸)

Marfat.com

ان میں سے اکثر اصلی مبداء کوایک جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نور ویزدان قدیم ہیں۔ اور ظلمت واہرمن حادث ہیں۔ ان میں سے بہت کم دونوں کے قدیم ہونے کے قائل ہیں۔ جب کوئی ناسمجھ بھی ان کی غیر مربوط باتیں سنتا ہے، تو وہ ان کے باطل ہونے کو سمجھ لیتا ہے۔

خداوند عالم صفات میں بھی یگانہ ہے۔ اس کی صفات ذاتیہ عین اس کی ذات ہیں۔ ان میں تعدد نہیں ہے۔ اس کی صفات اس کی ذات پر زائد نہیں ہیں۔ نیز وہ عبادت و پرستش کے استحقاق میں کوئی شریک نہیں رکھتا۔ لہٰذا مشرکوں کا قول جو کہ بتوں، آفتاب، چاند، آگ وغیرہ کو سجدہ کرنے اور خدا کا شریک بنانے کے حوالے سے ہے، باطل ہے۔

توحید سے مراد یہ ہے کہ خداوند عالم شبیہ نہیں رکھتا اور اس کی ذات میں تعدد نہیں ہے۔ چنانچہ وہ اپنی صفات اور افعال میں اپنے جیسا نہیں رکھتا اور عبادت کے استحقاق میں اس کا کوئی شریک نہیں (توحید سے) مراد یہ نہیں ہے کہ خدا اعداد میں سے واحد یا احاد میں سے ایک ہے، یا یہ کہ جنس کی ایک نوع ہے۔

تصدیق کی رو سے توحید کا مطلب یہ ہے کہ مکلّف دل میں اعتقاد رکھے اور زبان سے اقرار کرے کہ خداوند عالم یکتا و بے شریک ہے۔ یہ بھی جان لے کہ توحید پر اعتقاد رکھنا اصول دین سے ہے۔ اور جو کوئی اس سے انکار کرے مثل مشرکین کے جنہوں نے بُت، آفتاب، چاند اور آگ کو خدا کی عبادت اور سجدہ کرنے میں شریک کیا تھا اور مجوسیوں کی طرح جو یزدان کو خیر کا خالق اور اہرمن کو شر کا خالق مانتے ہیں اور

Marfat.com

مثل ان مسیحیوں کے جو (حضرت) عیسیٰؑ کو ابن اللہ (خدا کا بیٹا) جانتے ہیں۔ یہ سب کافر اور نجس ہیں اور ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

صفات خداوند عالم

ہر مکلّف پر واجب ہے کہ وہ اعتقاد رکھے کہ خداوندِ عالم کے لیے صفات ہیں۔ ان کو صفات ثبوتیہ کہتے ہیں یعنی ایسی صفات جو خدا کے لیے ثابت ہونی چاہیں۔ دوسرے الفاظ میں ذات الٰہی ان صفات سے متصف ہے۔ نیز ہر مکلّف پر واجب ہے کہ وہ اعتقاد رکھے کہ ایسی صفات بھی ہیں جو اللہ کے لیے نہیں ہیں۔ ان کو صفات سلبیہ کہتے ہیں یعنی وہ صفات جن کی اللہ کے لیے نفی کرنی چاہیے۔ ان کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

صفات ثبوتیہ

صفات ثبوتیہ کو صفات ذاتیہ یا صفات کمالیہ بھی کہتے ہیں۔ چونکہ وجود نیستی پر اشرف ہے، اس لیے صفات ثبوتیہ کا ذکر صفات سلبیہ سے پہلے کیا جاتا ہے۔ جان لینا چاہیے کہ صفات ثبوتیہ آٹھ ہیں:۔

(۱) قادر مختار

اللہ تعالیٰ قادر مختار ہے۔ قادر کا اطلاق دو معنوں میں کیا گیا ہے پہلے وہ جو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہو اور کسی چیز کے کرنے سے عاجز نہ ہو۔ لہٰذا اس معنیٰ میں خداوند عالم کے قادر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، وہ ایسا

Marfat.com

قادر ہے کہ وہ آنکھ جھپکنے میں ایسے ہزار عالم پیدا کرسکتا ہے، لیکن جو اُس نے پیدا نہیں کیا ہے، اس وجہ سے کہ مصلحت اُس کے پیدا نہ کرنے میں تھی۔ اس معنی میں قدرت عجز کے مقابل ہے۔

دوسرے معنی یہ ہیں کہ ایسا جو کرنے اور نہ کرنے دونوں پر قدرت رکھتا ہو یعنی اگر وہ چاہے تو اس کام کو کرے اور اگر نہ چاہے تو نہ کرے۔ مثلاً ایک شخص کسی چیز کے لکھنے پر قدرت رکھتا ہے لہٰذا کہتے ہیں کہ یہ لکھنے پر قادر ہے اس اعتبار سے کہ لکھنے اور نہ لکھنے دونوں پر قدرت رکھتا ہے اور دونوں کی نسبت اس کی جانب مساوی ہے پس اگر وہ چاہے کہ نہ لکھے تو وہ ایسا کرسکتا ہے اور اگر وہ چاہے کہ لکھے تو لکھ بھی سکتا ہے۔ جو کسی کام کے کرنے اور نہ کرنے کی قدرت وتوانائی نہ رکھتا ہو بلکہ از راہ مجبوری اس کام کو کرے یا نہ کرے، تو اُسے قادر نہیں کہتے بلکہ مضطر (مجبور) کہتے ہیں۔ مثلاً آگ کا کام جلانا ہے۔ وہ جلانے سے رک نہیں سکتی۔ اسی وجہ سے ایسا نہیں کہتے کہ آگ جلانے پر قادر ہے۔ لہٰذا قادر کا اطلاق اس پر نہیں کیا جاسکتا بلکہ اسے مُوجَب (مضطر) کہتے ہیں یعنی جلانے پر مجبور ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ قادر وہ ہے جس کی طرف کسی کام کے کرنے اور نہ کرنے کی نسبت مساوی طور پر دی جائے لیکن وہ کسی مصلحت کی وجہ سے ایک کو ترجیح دیتا ہے اور اس کام کرنے والے کو، اس وجہ سے کہ ایک طرف کو ترجیح دیتا ہے اور اختیار کرتا ہے، مختار کہتے ہیں اور اس مصلحت کو جو کہ ایک طرف کے اختیار کا باعث ہوئی ہے، داعی کہتے ہیں، لہٰذا کام کا کرنے والا جو قادر وتوانا ہو اُسے چاہیے کہ ہر اُس چیز کا عالم ہو جس کو وہ خلق کرے، اس لیے کہ ہر فاعل کو اپنے

Marfat.com

فعل کی مصلحت کا علم ہونا چاہیے تا کہ اس کے کرنے کو وہ اختیار کرے اور جس فعل کو وہ نہ کرے، اس کے نہ کرنے کی مصلحت کا بھی اُسے علم ہونا چاہیے تا کہ اس کا نہ کرنا اختیار کرے۔

تمام حکماء اور صاحبانِ شریعت نے اتفاق کیا ہے کہ خداوندِ عالم کی ذات قادر مختار ہے اس معنیٰ میں کہ کرنے اور نہ کرنے دونوں کی قدرت رکھتا ہے، لیکن حکماء کہتے ہیں کہ چونکہ ذات الٰہی جواد مطلق ہے لہٰذا اُسے چاہیے کہ عالم کو پیدا کرے اور محال ہے کہ پیدا نہ کرے، کیونکہ خدائے تعالیٰ فیض رسانِ مطلق ہے اور فیض اس سے منقطع نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ فیض کو قطع کرتا ہے۔ صاحبانِ شریعت کہتے ہیں کہ عالم کا پیدا نہ کرنا محال نہ تھا بلکہ ہوسکتا تھا کہ وہ پیدا نہ کرے اور اس کے لیے کوئی مانع لازم نہیں آتا۔ جب اس معنیٰ کو تُو نے جان لیا تو یہ اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ ذاتِ الٰہی ہر دو معنی میں قادر ہے، خدائے تعالیٰ کے قادر مختار ہونے پر تین عقلی دلیلیں ذکر کی جاتی ہیں۔

قادر مختار ہونے پر عقلی دلائل

(۱) جب خدا قادر نہ ہوگا تو جو کام وہ کرتا ہے اُس کے لیے وہ محتاج ہوگا اس کا جو اس کی مدد کرے اور اس کی حاجت کو رفع کرے۔ اگر وہ اعانت کرنے والا واجب الوجود ہوگا تو اس سے لازم آتا ہے کہ دو واجب الوجود ہوں گے اور یہ باطل ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے اور اگر وہ ممکن الوجود ہوگا تو وہ اپنے اصلِ وجود میں واجب الوجود کا محتاج ہوگا۔ پس لازم آتا ہے کہ یہ ممکن اپنے وجود سے پہلے موجود ہو، تا کہ اپنی پیدائش میں واجب الوجود کی اعانت کرے، لیکن یہ عقلی طور پر باطل ہے۔ اس کے

Marfat.com

علاوہ ہم کہتے ہیں کہ واجب الوجود کے لیے محتاج ہونا جائز نہیں ہے بلکہ متصور نہیں ہے۔لہٰذا خداوندِ عالم کو قادر ہونا چاہیے۔

(۲) دوسرے یہ کہ اگر واجب الوجود قادر مختار نہ ہو یعنی کرنے اور نہ کرنے دونوں پر قدرت نہ رکھتا ہو بلکہ صرف کرنے ، یا صرف نہ کرنے پر قدرت رکھتا ہو، تو اس صورت میں کرنے یا نہ کرنے دونوں میں ایک پر عاجز ہوگا، لیکن نقص و عجز واجب الوجود کے لیے جائز نہیں بلکہ متصور نہیں، لہٰذا واجب الوجود کو قادر مختار ہونا چاہیے۔

اسی دلیل کو دوسرے الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے ظاہر ہے کہ جب فاعل ازروئے اختیار ہوگا تو وہ اس فاعل سے زیادہ قوی اور زیادہ کامل ہوگا جو ازروئے اضطرار ہوگا۔ واجب ہے کہ واجب الوجود فاعلیت کے کامل ترین درجے پر فائز ہو۔لہٰذا واجب الوجود فاعل مختار ہوگا۔اس دلیل سے خداوند عالم کے لیے تمام صفات کمالیہ کا اثبات کیا جاسکتا ہے۔

(۳) اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اجزائے عالم ___ آسمان، سورج، چاند اور باقی ستارے، زمین، حیوانات، نباتات، جمادات میں سے جو کچھ پیدا کیا ہے ان سب کو بڑی بڑی حکمتوں اور مصلحتوں کے تحت پیدا کیا ہے جو نظامِ عالم کی جانب رجوع کرتی ہیں۔ چنانچہ حکماء اور محققین نے اس بارے میں کتابیں لکھی ہیں۔اس طرح جب عقل ان سے مطلع ہو جاتی ہے تو اس میں کوئی شک وشبہ نہیں رہتا کہ خالق نے ان کو پیدا نہیں کیا ہے مگر ان حکمتوں اور مصلحتوں کی وجہ سے اور ان میں کمال علم و دانش رکھتے ہوئے۔لہٰذا اس سے قطعی علم حاصل ہو جاتا ہے کہ اللہ نے ان

Marfat.com

مصلحتوں کی وجہ سے ان کو نیستی سے وجود عطا کیا ہے۔ اگر یہ مصلحتیں نہ ہوتیں، تو خالق کی نظر میں ان کا وجود اور عدم برابر ہوتا۔ جب وہ ان مصنوعات ومخلوقات کی مصلحتوں سے واقف ہے تو وہ قادر مختار ہوگا ان مصلحتوں اور حکمتوں پر علم رکھنے کی بناء پر۔ کیونکہ جس کے کام حکمت کے موافق ہوں تو وہ قطعی طور پر قادر مختار ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے جب قادر مختار نہ ہوگا اور مصلحت کا شعور نہ رکھے گا تو اس کے کام مصلحت کے تقاضے کے مطابق نہ ہوں گے، بلکہ آگ کی مانند ہوگا جس کا کام جلانا ہے اگرچہ جلانا مصلحت کے خلاف ہی ہو۔

یہ بھی جان لے کہ قدرت کا تعلق ممکن سے ہوتا ہے نہ کہ ممتنع سے، اس لیے کہ ممتنع وہ ہے جو ہرگز وجود کو قبول نہ کرے اور عقل ہرگز اس کی ہستی کو تجویز نہ کرے مثلاً ممتنع یہ ہے کہ ایک ہی خط راست بھی ہو اور دائرہ بھی۔ پس ایسا خط ہرگز وجود وہستی کو قبول نہیں کرتا، کیوں کہ اس کی ماہیت ایسی ہستی کو قبول نہیں کرتی۔ لہٰذا (ممتنع کے حوالے سے) حق تعالیٰ کی قدرت میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا۔ قدرت اور توانائی مقدوریت اور امکان کے ساتھ ممکن ہے۔ جہاں کہیں ممکن ومقدور ہو یعنی وہ چیز جو فیض ہستی کے قبول کرنے کی طاقت رکھتی ہو، اللہ کی قدرت اس کا احاطہ کر لیتی ہے۔ لیکن وہ چیز جو قبول ہستی کی طاقت نہیں رکھتی، تو اس کو اپنی ماہیت کی جانب سے عجز ہے۔ لہٰذا ممتنع کو خلق کرنے پر قدرت نہ رکھنا عجز نہ ہوگا، خداوند عالم قرآن مجید میں فرماتا ہے:۔

ان اللہ علی کل شئی قدیر ۔

Marfat.com

یعنی بے شک خداوند عالم ہر چیز پر قادر وتوانا ہے۔

شیٔ کا اطلاق ممتنعات پر نہیں ہوتا۔پس حق تعالیٰ کی قدرت سے ہماری مراداس کی ہراُس چیز پر قدرت ہے جو وجود کو قبول کرتی ہے لیکن ممتنعات کی طرف نسبت مثلاً خدا کے لیے شریک کا موجود ہونا، یاذات الٰہی سے وجود کو ختم کرنا، یا تمام عالم کو انڈے کے اندر سمونا بغیراس کے کہ عالم چھوٹا ہو یا انڈا بڑا ہو جائے۔پس قدرت کے اس میں کوئی معنی نہیں ہیں۔(۴)

(۲) خداعالم ہے

اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا کیا ہے اس سے واقف ہے(مخلوقات) کی صفات اور حالتوں کا علم رکھتا ہے اور چیزوں کے گذشتہ اور آئندہ تمام اسرار سے واقف ہے۔انسانوں کے ضمیروں سے واقف ہے۔ہوا(میں موجود غبار) کے ذروں کی تعداد، زمین وآسمان کی مقدار، پہاڑوں کے وزن اور بارش اور دریا کے قطروں کا عالم ہے۔تمام حیوانات کی سانسوں سے واقف ہے اور تمام چیزوں سے متعلق اس کا علم مساوی ہے۔جس طرح ان کو پیدا کرنے کے بعد ان کا عالم ہے،اسی طرح ان کو پیدا کرنے سے پہلے ان کا علم کسی فرق کے بغیر رکھتا ہے۔اس کے علم میں ہرگز کوئی تبدیلی رونمانہیں ہوتی۔چیزوں کے پیدا کرنے کے بعداس کے علم میں اضافہ نہیں ہوتا۔

(۴) لفظ قدرت دومعانی میں استعمال ہوتا ہے۔ایک طاقت کے معنی میں اور دوسرے کام کرنے (فعل) اور کام نہ کرنے (ترک فعل) کی طاقت رکھنے کے معنی میں۔۔۔قرآن کریم میں اس کو مختلف الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔جیسے: قدیر، قادر اور مقتدر۔
(بحثی مبسوط درآموزش عقاید، جلداول،ص۔۱۸۲)

Marfat.com

خداوند عالم نے تمام چیزوں کی کلیات اور جزئیات کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ اس معنی پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے اور حکماء (فلسفیوں) کی ایک جماعت نے جو کہا ہے کہ علم الٰہی نے جزئیات کا احاطہ نہیں کیا ہوا، کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے صفت علم کے ساتھ متصف ہونے پر چند عقلی دلیلیں بیان کرتے ہیں۔

(۱) علم کی صفت، صفتِ کمال ہے اور اس کے مقابل جہالت اور نادانی ہے، یہ نقص ہے۔ لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ علم کی صفت کمال سے خالی ہوگا تو ہر آئینہ (ہر اعتبار سے) اس میں نقص ہوگا اس وجہ سے کہ جہالت، جو کہ علم کی ضد ہے، اس میں پائی جائے گی اور یہ نقص ہے۔ لیکن نقص واجب الوجود کی ذات کے لیے جائز نہیں ہے۔ نیز ہم کہتے ہیں کہ نقص کی صورت میں وہ اپنے سے علاوہ کسی اور کا محتاج ہوگا جو اس کے نقص کی اصلاح کرے اور اس کے عیب کو دُور کر سکے۔ حاجت کا رکھنا خدا ہونے کے منافی ہے۔ یہ بھی جان لے کہ اس دلیل سے تمام صفات ثبوتیہ کو ثابت کیا جا سکتا ہے اور ان کی ضد نقص ہے۔ مثلاً صفت بینائی جو کہ صفت کمال ہے اور اس کے مقابل اندھا پن ہے اور یہ نقص ہے۔ اسی طرح سننے کی صفت، صفت کمال ہے اور بہرہ پن اس کی ضد ہے جو کہ نقص ہے۔ اسی طرح صفت حیات وہستی، صفت کمال ہے اور اس کے مقابل موت ونیستی ہے، جو کہ نقص ہے۔ اسی طرح قدرت وتوانائی کی صفت، صفت کمال ہے اور اس کے مقابل عجز وناتوانی ہے جو کہ نقص ہے۔ واجب ہے کہ خداوند عالم تمام صفات کمالیہ سے متصف ہو، اس لیے کہ جب وہ صفت کمال سے خالی ہوگا تو اس کے مقابل صفت نقص ہے جو اس کے اندر پائی جائے گی۔ مگر نقص اللہ تعالیٰ کے لیے نہ

Marfat.com

صرف یہ کہ جائز نہیں ہے بلکہ متصور نہیں ہے۔

(۲) تمام مخلوقات جو ہر و عرض کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہیں تمام صفات کمالیہ مثلاً علم، قدرت، حیات، سمع، بصر اور ان کے علاوہ۔ یہ بات ہر ایک کو معلوم ہے کہ جس نے ان صفات کو پیدا کیا ہے، یقیناً ان صفات کی اصل اُس میں موجود ہے اور اُس کی ذات ان صفات سے متصف ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو وہ ان صفات کو پیدا نہیں کر سکتا۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ جو چیز خود چکنی نہ ہو وہ دوسری چیز کی چکناہٹ کا سبب نہیں بن سکتی۔ اسی طرح جب تک کوئی چیز نورانی نہ ہو، تو وہ دوسری چیز کو روشن نہیں کر سکتی۔ لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ تمام علوم کا بخشنے والا ہے۔ تمام علماء کا علم اُسی کا فیض ہے۔ پھر کس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ خود عالم نہ ہو۔ اسی دلیل سے تمام صفات ثبوتیہ کو ثابت کیا جا سکتا ہے۔

(۳) تمام صاحبان عقل، انبیاء، اوصیاء، علماء، عرفاء، حکماء اور ان کے علاوہ دیگر نے اتفاق کیا ہے کہ ذات الٰہی عالم ہے اور تمام صفات کمالیہ کی جامع ہے، وہ ہر جہت سے کامل ہے۔ عجز اور نقص اس کے لیے محال ہے۔ ان سب کا اتفاق اس بات پر قطعی ثبوت ہے کہ انہوں نے خطا نہیں کی ہے اور نہ ہی انہوں نے جھوٹ بولا ہے۔ چنانچہ تواتر اس دلیل قطعی کا فائدہ دیتا ہے۔

(۴) ذات الٰہی نے اپنی قدرت کاملہ سے از روئے اختیار، تمام موجودات اور اشیاء کو پیدا کیا ہے نہ کہ مجبوری سے۔ پس جس خالق نے اپنی مخلوق کو قدرت اور اختیار سے پیدا کیا ہو وہ یقیناً اس مخلوق کا مکمل علم رکھتا ہے۔

Marfat.com

(۵) جو کوئی خدا کی مخلوقات کی حکمتوں اور مصلحتوں میں تھوڑا سا فکر کرے اور چشم بصیرت سے مشاہدہ کرے کہ ہر مخلوق بہت سی مصلحتوں اور حکمتوں پر مشتمل ہے، تو اُسے یقین حاصل ہو جاتا ہے کہ ان کا خالق ان کا پورا پورا علم رکھتا ہے تبھی تو اُس نے ان کو نہایت استحکام کی حالت میں پیدا کیا ہے اور ان کو مصلحت کی وجہ سے خلق کیا ہے۔ اگر وہ ان کو اور ان کے احوال کو نہ جانتا ہوتا تو اس کا فعل مصلحت اور حکمت کے مطابق نہ ہوتا، بلکہ ان کی تخلیق اتفاقی ہوتی۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے انسان ایک مخلوق ہے۔ اس کا بدن بے شمار مصلحتوں اور حکمتوں پر مشتمل ہے۔ ان کو تمام عقلمند شمار کرنے سے عاجز رہے ہیں۔ جب اللہ کا مقصود انسان کی تخلیق سے یہ حکم (حکمتیں) اور مصالح (مصلحتیں) تھے تو یقین حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ انسان سے اور اس کے احوال وکوائف سے عالم تھا۔ اسی طرح تمام مخلوقات کی حالت ہے۔ لہٰذا ذات الٰہی کا علم ثابت ہو گیا۔ (۵)

(۳) خداوند عالم حی (زندہ) ہے

تیسری صفت یہ ہے کہ خداوند عالم حی یعنی زندہ ہے اس دلیل سے جس سے ہم نے ثابت کیا کہ خداوند عالم موجود اور عالم ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ ہر موجود اور

---

(۵) قرآن کریم کی متعدد آیات میں خدا تعالیٰ کے علم کا ذکر ہے اور اس کے لیے مختلف الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جیسے۔

"علیم، عالم الغیب، علام الغیوب، عالم الغیب والشہادۃ"

ان کے علاوہ بھی اس صفت سے متعلقہ چند آیات کے حوالے دیے جاتے ہیں۔

(سبا۳۴:۲)، (فاطر۳۵:۳۸)، (انعام ۶:۷۳، ۸۰)، (توبہ۹:۹۴) (ایضاً ص ۱۸۲)

Marfat.com

عالم زندہ ہوتا ہے ۔ حیات سے مراد ایک ایسی صفت ہے جس سے قدرت اور علم حاصل ہوتا ہے۔ لیکن ممکنات میں حیات (زندگی) صفت کے عارض ہونے سے ہوتی ہے مگر باری تعالیٰ میں یہ صفت اس کی عین ذات ہے اور اس کی ذات کا اس حیثیت سے ہونا ہے کہ جو علم وقدرت سے متصف ہو سکے ۔ درحقیقت یہ صفت علم وقدرت کی طرف لوٹتی ہے ۔(۶)

(۴) خداوند عالم مرید (صاحب ارادہ) ہے

خداوند عالم مرید ہے یعنی جو کچھ کرتا ہے، ارادہ سے کرتا ہے اور اُس سے تمام کام ارادہ واختیار اور بموافق اصلح (بہترین کے مطابق) صادر ہوتے ہیں۔ تین چیزیں اس پر دلیل ہیں:۔

(۱) بعض چیزوں کو پیدائش میں ایک زمانے سے تخصیص دینا اور بعض دوسری چیزوں کو دوسرے زمانے سے مخصوص کرنا۔ اس حالت میں اللہ کی قدرت کی نسبت ان سب کی طرف مساوی طور پر ہو، بغیر ارادہ وقصد کے ممکن نہیں ہے۔

(۲) تمام انبیاء اوصیاء اور علماء کا اتفاق کرنا کہ خداوند عالم مرید ہے، ان کے اتفاق سے یہ بات قطعی طور پر پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ انہوں نے غلطی نہیں کی ہے۔

(۳) ہر وہ فاعل جس کا کام ارادہ سے ہوا ہوگا، وہ کامل تر ہوگا اس فاعل سے جس

(۶) حیٰوۃ (زندہ ہونا)۔ اس صفت سے متعلقہ آیات کے حوالے دیے جاتے ہیں۔
لا الٰہ الا ھوالحی القیوم (آل عمران ۳:۲)
ان آیات میں بھی (اس صفت) کا ذکر آیا ہے (طٰہٰ ۲۰:۱۱۲)، (فرقان ۲۵:۵۸)
(غافر/المؤمن ۴۰:۶۵)، (ایضاً ص۔۱۸۰)

Marfat.com

کا کام ارادہ کے مطابق نہ ہوگا اور واجب ہے کہ واجب الوجود فاعلیت کی کامل ترین اقسام کے ساتھ متصف ہو۔ پس واجب ہے کہ وہ مرید ہو۔

ارادہ سے کیا مراد ہے؟

ارادہ سے مراد وہ قصد ہے جو فاعل کو منفعت یا مصلحت کے تصور کے بعد حاصل ہوتا ہے جس سے داعی عبارت ہے موانع کے نہ ہونے کے ساتھ۔ اس قصد کو عزم اور اجماع بھی کہتے ہیں اور اکثر یہ خواہش کے تابع ہوتا ہے اس دلیل سے کہ کبھی ارادہ خواہش کے بغیر ہوتا ہے جیسے تلخ دوائی پینے میں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خواہش ہے مگر ارادہ نہیں ہے جیسے پرہیزگاروں کا مجبوری کی حالت میں حرام چیزوں کا کھانا۔

جان لے کہ ارادہ واختیار میں فرق یہ ہے کہ اختیار سے مراد یہ ہے کہ فاعل کرنے یا نہ کرنے میں سے ایک طرف خواہش رکھتا ہو اور ارادہ سے مراد یہ ہے کہ فاعل تصور کرے کہ جس جانب کی وہ خواہش رکھتا ہے، اُسے بجالائے۔ ارادہ اور مشیت کے درمیان فرق یہ ہے کہ مشیت ایک کلی امر ہے جس سے مطلق چاہنا مراد ہوتا ہے اور ارادہ ایک جزئی امر ہے جس سے مراد کسی خاص فعل کو کرنے یا کسی خاص فعل کو نہ کرنے کا قصد کرنا ہوتا ہے مشیت ارادہ سے پہلے ہوتی ہے، اس لیے کہ کسی کام کا چاہنا یا ترک کرنا مقدم ہوتا ہے قصد کرنے پر کہ اس کام کو کرے یا نہ کرے۔

جان لے کہ جو کچھ ارادہ کے متعلق، اختیار اور ارادہ، ارادہ اور مشیت میں فرق کے متعلق کہا گیا، یہ مخلوق کے ارادہ، اختیار اور مشیت کے بارے میں ہے، مگر خالق کے ارادہ کے متعلق ایک جماعت نے کہا ہے کہ اس سے مراد قصدِ مطلق ہے۔

Marfat.com

یعنی جناب الٰہی نے ازل میں ارادہ کیا کہ فلاں وقت میں فلاں چیز کو پیدا کرے گا اور پھر فلاں وقت میں دوسری چیز کو پیدا کرے گا۔ اُسی (معینہ) وقت وہ چیز پیدا ہو جاتی ہے اور وہ دوسرے قصد کی حاجت نہیں رکھتا۔ یہ ازلی صفت ہے جو عین ذات ہوتی ہے۔ پس اس صورت میں ذاتِ خدا کے لیے ارادہ، اختیار اور مشیت کا مطلب ایک ہی ہوگا۔ لہٰذا اس قول کی بناء پر ارادہ، صفتِ علم وقدرت اور دوسری صفات سے علیحدہ ایک صفت ہے اور یہ ذاتی صفت ہے۔

استدلال کیا گیا ہے کہ ارادہ قصد مطلق سے عبارت ہے، اس لیے کہ جو فاعل مختار ہوگا اسے چاہیے کہ وہ اس فعل کی مصلحت کا علم رکھتا ہو اور اس فعل کا قصد بھی رکھتا ہو گا، کیونکہ صرف علم خارج میں کسی چیز کے موجود ہونے کا سبب نہیں بنتا، ورنہ وہ چیز ازل میں موجود ہوگی، کیوں کہ علم تو ازل میں حاصل تھا۔ یہ بھی استدلال کیا گیا ہے کہ ارادہ قدیم صفت ہے، حادث نہیں ہے۔ چونکہ ارادہ صفت ہے اور صفت تین حالتوں سے خالی نہیں ہوتی۔ یا تو وہ ذات الٰہی سے قائم ہے یا بنفس خود قائم ہے یا اپنے غیر کے ساتھ قائم ہے۔ اگر تو کہے کہ ذات الٰہی سے قائم ہے تو ہم کہیں گے کہ یہ دو صورتوں سے خالی نہیں ہے یا قدیم ہے یا حادث۔ اگر تو کہے کہ قدیم ہے تو ہمارا مطلوب بھی یہی ہے۔ اور اگر تو کہے کہ حادث ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ ذات الٰہی حوادث کا محل ہوگی۔ جبکہ یہ تمام حکماء، متکلمین اور علماء کے اتفاق سے باطل ہے۔ اگر تو کہے کہ وہ بنفس خود (اپنے نفس سے) قائم ہے تو میں کہوں گا کہ یہ صفت عرض ہے اور عرض کے لیے ایک محل چاہیے وگرنہ موجود نہ ہوگی۔ جب تک ایسا نہ ہوگا تو سیاہی اور سفیدی حاصل نہ ہوگی۔ یہ

Marfat.com

ہرگز ممکن نہیں کہ سیاہی اور سفیدی کا وجود از خود ہو۔ مثلاً میں کہتا ہوں کہ علم لامحالہ عالم کو چاہتا ہے۔ علم بے عالم وجود نہیں رکھتا۔ لہٰذا یہ شق بھی باطل ہوگئی۔ اگر تو کہے کہ یہ قائم بغیر خود (غیر کے ساتھ) ہے تو میں کہوں گا کہ یہ باطل ہے اس لیے یہ صحیح نہیں ہے کہ کسی ایک کی صفت، کسی دوسرے کی صفت ہو، جس طرح حرارت پانی کی صفت نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا تمام شقیں باطل ہوگئیں، پس چاہیے کہ ارادہ قدیم اور عین ذات ہو۔

یہ بھی جان لے کہ حکمائے الٰہیین اور اکثر شیعہ متکلمین نے کہا ہے کہ خداوندعالم کے ارادہ سے مراد علم باصلح ہے اور یہ عین ذات ہے اور ذاتی صفات سے ہے۔ اس میں کوئی تغیر وتبدل نہیں ہوتا۔ یعنی حق تعالیٰ ازل اور ابد میں تمام سے عالم ہے یعنی اس سے کہ فلاں چیز کی تخلیق فلاں وقت میں نظام عالم کے لیے اصلح (بہترین) ہے۔ پس وہ علم جو خداوندعالم رکھتا ہے اُسی چیز کی تخلیق کا باعث اُسی وقت میں ہوتا ہے اور دوسرے امر کی حاجت نہیں رکھتا۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ ارادہ علم سے حاصل ہوتا ہے اور اصلح کا علم ہی ارادہ ہے لہٰذا حکماء اور اکثر متکلمین کے قول کی بنا پر ارادہ علم سے حاصل ہوتا ہے اور وہ عین علم ہے۔ پس ارادہ جو کہ عین علم ہے کے ثبوت پر وہی دلیل ہے جو علم کے ثبوت پر دلالت کرتی ہے اور اس میں ہرگز کوئی تغیر وتبدل واقع نہیں ہوتا۔ ہاں مخلوقات کی پیدائش کے بعد مرید (خالق) اور مراد (مخلوق) کے درمیان ایک نسبت حاصل ہوجاتی ہے، وہ نسبت ایک اعتباری امر ہے جو کہ ذات الٰہی میں کوئی دخل نہیں رکھتا لہٰذا مخلوق کا تغیر وحدوث ذات الٰہی کے تغیر کا باعث نہیں بنتا۔ یہ جو ایک جماعت نے کہا ہے کہ اللہ کا ارادہ فعل کی صفات سے ہے کیوں کہ ارادہ کسی چیز کو چاہنا اور خلق کرنا ہے

Marfat.com

اور خدا ہمیشہ تو کسی چیز کو چاہنے والا نہیں ہے۔ اس دلیل سے جو آئمہ معصومینؑ کی احادیث میں وارد ہوئی ہے کہ اللہ کا ارادہ تو کسی چیز کی تخلیق ہی ہے اور (یہ) فعل کی صفات سے ہے۔ ظاہر ہے کہ آئمہؑ کی مراد یہی نسبت ہوگی جب کہ محققین کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ اگر اس سے مراد علم باصلح ہوگا تو یہ صفات ذات سے ہوگا اور صفات فعل سے نہ ہوگا۔ پس اس بنا پر احادیث اور اکثر حکماء و متکلمین کے کلام کے درمیان کوئی تضاد نہ ہوگا۔

جان لے کہ ان لوگوں کی دلیل جو اللہ کے ارادہ کو علم باصلح جانتے ہیں، وہی ہے جو ہم نے علم کے ثبوت کے لیے بیان کی۔ نیز اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ فاعل مختار جو کام کرتا ہے قطعی طور پر اس کام کے اصلح ہونے کا علم رکھتا ہو، تاکہ اس کو پیدا کرے، لیکن فعل الٰہی میں قصد نہیں ہونا چاہیے اس لیے کہ وہ قصد عین ذات نہیں ہوسکتا۔ اور جب غیر ذات ہوگا تو ذات پر زائد ہوگا۔ اس سے لازم آتا ہے کہ ذات الٰہی مرکب ہو جب کہ ترکیب نقص ہے اور نقص حق تعالیٰ کے لیے جائز نہیں ہے۔

جان لے کہ ارادۂ الٰہی کے بارے میں بہت کچھ کہا گیا ہے۔ مکلّف کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اعتقاد رکھے کہ جناب الٰہی سے افعال ارادہ واختیار سے، اور وہ جو بندوں کے حال اور نظام کے لیے بھی اصلح ہوں، صادر ہوتے ہیں۔ وہ ان افعال میں مجبور نہیں ہے۔ پس جس چیز کو وہ کرتا ہے اس کی مصلحت کے شعور اور ارادہ کے ساتھ کرتا ہے اور جس چیز کو ترک کرتا ہے تو اس کے فساد کے شعور اور ارادہ وقصد کے ساتھ ترک کرتا ہے۔

Marfat.com

۵۔خداوند عالم مدرک ہے

خدا مدرک ہے یعنی چیزوں کا ادراک کرنے والا ہے۔ادراک کے معنی جزئیات محسوسہ کا علم رکھنا ہے جیسے مبصرات جو آنکھ سے دیکھی جاسکتی ہیں اور جیسے مسموعات جو کان سے سنی جاسکتی ہیں۔چونکہ بصر و سمع (دیکھنا اور سننا) تمام حواس خمسہ سے زیادہ ظاہر اور قوی واقع ہوئے ہیں، اس لیے متکلمین نے سمیع اور بصیر کو بیان کرنے کے لیے چن لیا ہے۔لہٰذا خدائے تعالیٰ بصیر ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہر دیکھنے کے قابل چیز کو بغیر کسی آلہ اور آنکھ کے دیکھتا ہے۔اسی طرح خدائے تعالیٰ سمیع ہے یعنی تمام آوازوں اور سننے کے قابل چیزوں کو بغیر آلہ سماعت اور کان کے سنتا ہے۔اس لیے کہ اگر وہ ان یعنی آلہء بصارت اور آلہء سماعت کا محتاج ہوگا، تو اس کا جسم مرکب ہوگا جو کہ نقص واحتیاج کا سبب ہوگا، لیکن یہ واجب الوجود کے لیے جائز نہیں ہے۔ جان لے کہ یہ دو صفتیں سمع و بصر علم سے حاصل ہوتی ہیں اور عین ذات ہیں۔ جب ثابت ہوگیا کہ خدا تعالیٰ تمام چیزوں کا عالم اور دانا ہے، تو چاہیے کہ وہ عالم ہو اس چیز کا جو سنی جاسکتی ہے اور دیکھی جاسکتی ہے۔اس کی دلیل ان دلائل سے ظاہر ہوتی ہے جو ہم نے علم کے ثبوت کے لیے ذکر کیں۔بعض لوگ سننے اور دیکھنے کی صفت کو علم کی صفت سے غیر سمجھتے ہیں۔ان کا ذکر کوئی فائدہ نہیں رکھتا۔

۶۔خدا تعالیٰ قدیم ہے

خدا تعالیٰ قدیم ہے، یعنی ہمیشہ سے ہے اور کوئی ایسا وقت نہیں گزرا جب وہ نہ تھا۔نیز یہ کہ خدا تعالیٰ ازلی ہے یعنی اس کے وجود کے لیے کوئی ابتدا نہیں ہے۔علاوہ

Marfat.com

ازیں خداوند عالم ابدی ہے یعنی ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے انتہا نہیں ہے اور ذات مقدس کے لیے ہرگز فنا نہیں ہے۔ نیز خداوند عالم سرمدی ہے یعنی ابتدا و انتہا نہیں رکھتا۔ جان لے کہ یہ صفات حیات کی طرف لوٹتی ہیں۔ قدیم، ازلی اور ابدی ہونے پر وہ دلیل ہے جو ہم نے باب اول، فصل سوم میں ثابت کی کہ خالقِ عالم واجب الوجود بالذات ہے یعنی اس کا وجود ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ باقی رہے گا اور وہ اپنی ذات سے ثابت رہے گا، اپنے سے غیر کا محتاج نہیں ہے۔ پس اگر وہ کسی وقت نہ ہو اور اس کے بعد حادث ہو، تو وہ دوسرے کی حاجت رکھے گا جو اُسے پیدا کرے۔ لہٰذا وہ واجب الوجود بالذات نہ ہوگا نیز اگر اس کے بعد اُس پر فنا عارض ہو جائے، تو وہ پھر واجب الوجود بالذات نہ رہے گا اور اس کی فنا دوسرے کی جانب سے ہوگی۔ لہٰذا خدا تعالیٰ کو قدیم، ازلی اور ابدی ہونا چاہیے۔

اس بات کو دوسرے پیرائے میں بیان کرتے ہیں کہ چونکہ وہ واجب الوجود بالذات ہے، لہٰذا نہ ہونا اس کے لیے محال ہے خواہ یہ سابق ہو کہ قدیم ازلی نہ ہو یا آخر یعنی بعد میں لاحق ہو اور ہمیشہ نہ رہے۔ چونکہ ہر جہت سے نیستی اس کے لیے محال ہے، لہٰذا وہ قدیم، ازلی اور ابدی ہے (۷)

(۷) خدا تعالیٰ قدیم ہے۔ اس حوالے سے دعائے یستشیر کا ایک متعلقہ اقتباس ذیل میں دیا جاتا ہے جو نہایت خوبصورتی کے ساتھ اس موضوع پر روشنی ڈالتا ہے:۔

۔۔۔ تو موجود تھا جب آسمان بلند نہیں کیا گیا تھا اور نہ زمین بچھائی گئی تھی اور نہ سورج چمکایا گیا تھا نہ تاریک رات اور نہ روشن دن پیدا ہوا تھا، نہ سمندر موجزن تھا نہ کوئی اونچا پہاڑ تھا، نہ چلتا ہوا ستارہ تھا اور نہ چمکتا ہوا چاند اور چلتی ہوئی ہوا تھی، نہ ہی برسنے والا بادل تھا نہ چمکنے والی بجلی اور نہ کڑکنے والے بادل نہ سانس لینے والی روح اور نہ اڑنے والا پرندہ تھا، (جاری ہے)

Marfat.com

۷۔خدا تعالیٰ متکلم ہے

خدا تعالیٰ متکلم ہے یعنی الفاظ، حروف اور ان آوازوں کو پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہے اور یہ ان معنوں پر دلالت کرتے ہیں جن کا سمجھانا مقصود ہوتا ہے۔ جس میں چاہتا ہے کلام پیدا کرتا ہے۔ خواہ وہ فرشتہ کی زبان پر مثلاً جبرئیل یا درخت میں مثل کوہ طور کا درخت جس میں وہ اپنی قدرت کاملہ سے کلام پیدا کرتا تھا اور حضرت موسیٰ ؑ سنتے تھے، یا انبیاء، اوصیاء اور فرشتوں کے دلوں میں، یا ہوا میں، یا پتھر میں یا ان کے علاوہ مثل اس کے کہ وہ اپنی قدرت کاملہ سے لوح محفوظ میں کتابت کے نقوش موجود فرماتا ہے، ملائکہ اسے پڑھتے ہیں اور وحی لاتے ہیں۔

جان لے کہ تکلم، یعنی کلام پیدا کرنے کی قدرت، قدیم صفت ہے اور ذاتی صفات سے ہے بلکہ عین ذات ہے اور قدرت کی طرف لوٹتی ہے، کیونکہ خدا تعالیٰ ہمیشہ کلام پیدا کرنے کی قدرت رکھتا تھا، رکھتا ہے اور رکھے گا۔ پس اس کے ثبوت پر دلیل، اور یہ کہ یہ عین ذات ہے، وہی دلیلیں ہیں جو ہم نے قدرت کے ثبوت میں پہلے بیان کیں۔ پس جب ثابت ہو گیا کہ خدا ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، لہٰذا وہ کلام پیدا کرنے پر بھی قدرت رکھے گا۔ نیز تمام انبیاء نے اس بات پر اتفاق کیا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے کتابیں لائے ہیں۔ اس کے علاوہ تمام عقلاء نے اس بات پر

(حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ) نہ جلتی ہوئی آگ اور نہ بہتا ہوا پانی، پس تو ہر چیز سے پہلے تھا اور تو نے ہر چیز کو بنایا اور تو ہی ہر شے پر قادر و قدیر ہے۔۔۔

(مفاتیح الجنان مع باقیات الصالحات (مترجم)، ص۔۱۶۹۔۱۷۰)

Marfat.com

اتفاق کیا ہے۔ اور جہاں تک تکلم کا معنی کلام کو پیدا کرنا اور موجود کرنا ہے، تو یہ فعلی صفات میں سے ہے، کیونکہ خدا تعالیٰ ہمیشہ کلام پیدا نہیں کرتا، مگر ہمیشہ کلام پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہے جیسا کہ پہلے ہم نے کہا کہ تکلم اس معنیٰ میں ذاتی صفات سے ہے۔

۸۔ خدا تعالیٰ صادق ہے

خدا تعالیٰ صادق ہے یعنی سچ کہنے والا ہے۔ جان لے کہ کبھی صدق، کذب کی ضد پر اطلاق کرتا ہے اور یہ خبر کا واقعہ کے مطابق ہونا ہے اور کبھی اس کا اطلاق اس کلام کے پیدا کرنے کی قدرت رکھنا پر ہوتا ہے جو واقعہ کے مطابق درست ہو۔ صادق ہونا قدرت کی جانب راجع ہے۔ پس دوسرے معنیٰ میں یہ ذاتی صفات سے ہے۔ اس پر بہت سے دلائل ہیں۔ اس مقام پر پانچ دلیلیں بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں:۔

۱) عقل حکم کرتی ہے جھوٹ کے قبیح ہونے پر اور جناب الٰہی سے قبیح کا صادر ہونا از روئے عقل محال ہے۔ چنانچہ اس کی تفصیل عدل کے باب میں بیان کریں گے۔

۲) دوسرے یہ کہ صدق بندوں کے حال کے لیے اصلح (بہترین) ہے اور جو کچھ اصلح ہو اُس کا فعل خدا پر واجب ہے اور اس کا ترک جائز نہیں ہے۔

۳) تیسرے یہ کہ جھوٹ عالم کی مصلحت سے تضاد رکھتا ہے کیونکہ اگر جھوٹ کا کلام الٰہی میں واقع ہونا جائز ہو تو اس کے کلام سے وثوق اور اعتماد اٹھ جائے گا۔ خدا کے ثواب وعذاب سے خبر دینے، احوال قیامت اور دوسری باتوں سے اعتبار اٹھ جائے گا۔ لہٰذا بہت سی مصلحتیں فوت ہو جائیں گی اور بہت سی برائیاں سر اُٹھا لیں گی اور

Marfat.com

احکام الٰہی میں تزلزل رونما ہو جائے گا۔لہٰذا بندوں کی تخلیق کا مقصد فوت ہو جائے گا۔

۴) تمام پیغمبروں کا اتفاق کرنا کہ ان کا صدق معجزات کی وجہ سے ثابت ہو چکا ہے، یہ اس بات پر دلیل ہے کہ خداوند عالم صادق ہے۔

۵) صدق، صفت کمال ہے۔اس کے مقابل کذب نقص ہے۔ پس اگر خدا صفتِ کمال یعنی سچ سے خالی ہوگا تو ہر آئینہ (ہر اعتبار سے) جھوٹ اس میں پایا جائے گا جو کہ نقص ہے اور نقص خدا کے لیے جائز نہیں ہے۔

بعض نے صفات ثبوتیہ کو آٹھ سے زیادہ بیان کیا ہے۔اختلاف کا سبب یہ ہے کہ جنہوں نے آٹھ کا ذکر کیا ہے انہوں نے بعض کو بعض میں داخل کر دیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جو صفت کمال ہے، اعتقاد رکھنا چاہیے کہ خدا اس سے متصف ہے۔ صفات کمالیہ بہت سی ہیں۔لہٰذا اعتقاد رکھنا چاہیے کہ خداوندِ عالم تمام صفات کمالیہ کا جامع ہے۔ یہ بھی جان لے کہ وہ صفات ثبوتیہ جن کا ذکر ہوا، یہ توحید کے تابع ہیں اور ان پر اعتقاد رکھنا اصول دین میں سے ہے۔لہٰذا جو کوئی ان میں سے کسی ایک کا انکار کرتا ہے، وہ کافر ہے۔

صفات سلبیہ کے بیان میں

صفات سلبیہ یعنی وہ صفات جن کی نفی جناب الٰہی سے کرنی چاہیے اور اعتقاد رکھنا چاہیے کہ ذاتِ اقدس ان صفات سے متصف نہیں ہے۔ان کو صفاتِ نقص اور صفاتِ جلال بھی کہتے ہیں اور یہ سات ہیں۔

Marfat.com

ا۔خداوند عالم شریک نہیں رکھتا

خدا تعالیٰ کوئی شریک نہیں رکھتا۔تفصیل "توحید خدا تعالیٰ" کے تحت بیان ہو چکی۔

۲۔خدا تعالیٰ مرکب نہیں ہے

خدا تعالیٰ مرکب نہیں ہے۔جان لے کہ ہر موجود مرکب ہے یا بسیط۔مرکب وہ ہے جو دو یا دو سے زیادہ چیزوں سے مل کر بنا ہو اور بسیط وہ ہے جس کا کوئی جز نہ ہو۔ خدا تعالیٰ بسیطِ مطلق ہے۔اس کا کسی طریقے سے کوئی جز نہیں ہے۔مرکب کی دو قسمیں ہیں۔(۱) پہلی قسم یہ ہے کہ وہ چند خارجی اجزا سے مرکب ہوتا ہے بدن کی مثل جو گوشت، پوست، ہڈیوں اور ان کے غیر سے مرکب ہے۔(۲) دوسری قسم یہ ہے کہ مرکب چند ذہنی اجزا سے مرکب ہوتا ہے۔یعنی خارج میں ایک چیز ہوتی ہے، مگر عقل اس کی تحلیل چند چیزوں میں کرتی ہے۔جان لے کہ خارجی جز اُسے کہتے ہیں جو کسی چیز کی ماہیت میں داخل ہوتا ہے اور وجودِ کل سے اس کا وجود خارج میں جدا ہوتا ہے۔مثلاً انسان کے ہاتھ، پاؤں، آنکھ اور کان اور سکنجبین کے لیے سرکہ اور چینی۔ایسا جز کل پر محمول نہیں کیا جاتا۔یہ نہیں کہا جاتا کہ ہاتھ انسان ہے، یا آنکھ انسان ہے یا چینی سکنجبین ہے یا سرکہ سکنجبین ہے۔ذہنی جز اُسے کہتے ہیں جو کسی چیز کی ماہیت میں داخل ہوتا ہے، لیکن اس کا وجود، وجودِ کل سے جدا نہیں ہوتا، بلکہ خارج میں کل کے ساتھ ایک ہی ہوتا ہے۔لیکن عقل اُسے دو اجزا میں تحلیل کرتی ہے مثلاً حیوان اور ناطق۔انسان کی جانب نسبت جو کہ وجود خارجی میں دونوں انسان کے ساتھ ایک ہوتے ہیں، لیکن عقل انسان کی ماہیت کو تعقل کے بعد ان دو اجزا میں تحلیل کرتی ہے۔ایسا جز کل پر محمول کیا

Marfat.com

جاتا ہے۔اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ انسان حیوان ہے اور انسان ناطق ہے۔ پس ہم کہتے ہیں خارج میں نوع ایک چیز ہوتی ہے۔لیکن عقل اس کو جنس اور فصل میں تحلیل کرتی ہے۔ مثلاً حقیقت انسان جو کہ نوع ہے اور زید بکر اور تمام انسانی افراد کو شامل ہے، خارج میں ایک چیز ہے، لیکن عقل اُسے دو اجزا میں تحلیل کرتی ہے۔ایک جنس جو کہ حیوان ہوتا ہے اور دوسرے فصل جو کہ ناطق ہو۔اس لیے کہ انسان کی حقیقت ایک ایسے حیوان سے عبارت ہے جو ناطق ہوتا ہے۔لہٰذا انسانیت کی حقیقت عقل کی نظر میں دو چیزوں سے مرکب ہے، اگرچہ خارج میں ایک ہی چیز ہے۔ بہر حال یہ اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ خداتعالیٰ کسی معنی میں مرکب نہیں ہے۔

دلیل اس پر یہ ہے کہ وُجُوبِ وجود ترکیب کے ساتھ جمع نہیں ہوتا یعنی واجب الوجود مرکب نہیں ہوسکتا کیوں کہ مرکب وجود اجزا کا محتاج ہوتا ہے، خواہ خارجی اجزا ہوں یا عقلی اجزا ہوں، کیونکہ مثال کے طور پر بدن گوشت، پوست، ہڈیوں اور ان کے غیر کے حاصل ہونے سے بنتا ہے۔ پھر اس کا محتاج ہوتا ہے جو ان کو ترکیب دے اور اسے دوسرے انسان یا حیوان کا بدن بنائے۔لہٰذا ہر مرکب محتاج ہوتا ہے۔ اور محتاج ممکن ہے نہ کہ واجب الوجود بالذات۔لہٰذا واجب الوجود خارجی اجزا سے مرکب نہیں ہوسکتا۔ جہاں تک وجود مرکب کا اجزائے عقلیہ پر موقوف ہونے کا تعلق ہے، اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ اجزائے عقلیہ کا وجود ایک نفس الامر ہے نہ کہ ایک عقلی اختراع اور نفس الامر کا وجود، خارجی وجود کی طرف رجوع کرنا ہے۔لہٰذا اگر واجب الوجود اجزائے عقلیہ سے مرکب ہوگا، تو اس کا وجود ہر آئینہ (ہر طرح سے)

Marfat.com

نفس الامر میں موقوف ہوگا، نفس الامر کے اجزائے وجود میں۔ اور جب مرکب کا وجود اجزا پر موقوف ہوگا، تو وہ وجود کسی غیر کا محتاج ہوگا۔ لہٰذا وہ اپنی ذات کی حد میں، قطع نظر غیر کے، موجود نہ ہوگا جبکہ واجب الوجود وہ ذات ہوتی ہے جو اپنی ذات کی حد کے اندر موجود ہوتی ہے۔ پس اجزائے عقلیہ سے مرکب بھی واجب الوجود نہیں ہوسکتا۔

۳۔ خدا تعالیٰ کا جسم نہیں ہے

خداوند عالم کا ان اجسام کی طرح جسم نہیں ہے، نیز جسم ایک حالت پر نہیں رہتا، کیونکہ جسم میں طول، عرض، عُمق (گہرائی) اور اجزا ہیں۔ وہ ان اجزا سے مرکب ہے اور ان کا محتاج ہے۔ علاوہ ازیں جسم کو مکان کی حاجت ہوتی ہے، حالانکہ واجب الوجود کے لیے حاجت جائز نہیں بلکہ متصور نہیں ہے۔۔۔ اگر خداوند عالم کا کوئی مکان ہوگا، تو وہ محتاج ہوگا۔ اس لیے کہ اگر وہ مکان اللہ کی مخلوق ہے، تو اُسے مکان سے بے نیاز ہونا چاہیے اور وہ مکان کی پیدائش سے پہلے بے مکان ہوگا، لہٰذا وہ اس کا محتاج نہ ہوگا۔ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک چیز کا خالق اُسی کا محتاج ہو۔ اور اگر وہ مکان اللہ کی مخلوق نہ ہوگا تو پھر اس مکان کو قدیم ہونا چاہیے۔ لیکن یہ باطل ہے، کیوں کہ اللہ کے سوا کوئی قدیم نہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ اللہ کے لیے کوئی مکان نہیں ہے اور وہ کسی جگہ کی حاجت نہیں رکھتا۔

اس سے پہلے جو روح کی معرفت کے متعلق کہا گیا، اس سے معلوم ہوا کہ روح تمام بدن کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور وہ جسم کے کسی حصے میں مکان نہیں رکھتی۔ اس کی نسبت تمام بدن کی طرف مساوی ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ بھی کسی مقام میں نہیں ہے، لیکن اس نے تمام جگہوں کا احاطہ کر رکھا ہے اور تمام عالم کی جانب اس کی نسبت یکساں

Marfat.com

ہے خدا تعالیٰ میں نزدیکی اور دوری نہیں ہے، بلکہ وہ تمام چیزوں کے نزدیک ہے اور تمام کو محیط ہے۔ لہٰذا نہیں کہا جاسکتا کہ خدا تعالیٰ اوپر ہے یا نیچے ہے یا سامنے ہے یا پیچھے ہے، بلکہ خدا تو اوپر، نیچے، سامنے اور پیچھے سب کو محیط ہے۔ جس طرح روح کے متعلق نہیں کہا جاسکتا کہ وہ جسم کے اوپر کے حصے میں ہے یا جسم کے نیچے والے حصے میں ہے، سامنے ہے یا پیچھے ہے، بلکہ روح تو تمام جسم کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

ای عین بقا درجہ تعالیٰ کہ توئی
بر جائی نہ ای کدام جائی کہ نہ ای
ای ذات تو در چھار جہت مستغنی
آخر تو کجائی و کجائی کہ نہ ای

اگر کوئی کہے کہ خدا کا کوئی مکان نہیں، تو پھر لوگ دعا کے وقت ہاتھ اور چہرہ آسمان کی جانب بلند کیوں کرتے ہیں؟ زمین کی جانب کیوں نہیں؟ باوجود اس بات کے کہ اللہ تعالیٰ کے علم کا احاطہ تمام موجودات اور اطراف کو مساوی ہے۔ نیز اگر خدا لامکان ہے، تو حضرت رسول خدا ﷺ کی معراج کس لیے تھی؟

دعا کے وقت ہاتھ آسمان کی جانب بلند کیوں کیے جاتے ہیں؟

۱) اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ دعا کے وقت ہاتھ اور چہرے کا آسمان کی جانب بلند کرنا صرف امر الٰہی کی اطاعت ہے۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادقؑ ایک حدیث کے آخر میں فرماتے ہیں:

ولکنہ تعالی امر اولیائہ وعبادہ برفع ایدیھم الی

Marfat.com

السماء نحو العرش لا نه جعله معدن الرزق

یعنی خداوند عالم نے اپنے دوستوں اور بندوں کو آسمان کی طرف عرش کی جانب اپنے ہاتھ اٹھانے کا حکم دیا، کیوں کہ ان کی روزی کا معدن عرش میں ہے۔ اسی طرح دوسری حدیث میں وارد ہوا ہے کہ حامل عرش چار فرشتے ہیں۔ ایک انسان کی صورت میں ہے اور یہ تمام صورتوں سے خدا کے نزدیک عظیم تر ہے۔ وہ ہمیشہ خدا کی تسبیح، تمجید اور تقدیس میں رہتا ہے۔ وہ خدا سے دعا کرتا ہے اور بنی آدم کے لیے مغفرت اور روزی طلب کرتا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ میکائیل ان فرشتوں کا سردار ہے جو مخلوق کی روزی پر مقرر ہیں اور دوسرا فرشتہ بیل کی صورت میں ہے۔ وہ ہمیشہ تضرع وزاری میں رہتا ہے اور چار پایوں کے لیے روزی طلب کرتا ہے۔ اور تیسرا فرشتہ نَسر یعنی کرگس کی شکل میں ہے اور وہ پرندوں کا سردار ہے۔ وہ ہمیشہ زاری کرتا ہے اور پرندوں کے لیے روزی طلب کرتا ہے۔ چوتھا فرشتہ شیر کی صورت میں ہے۔ یہ درندوں کا سردار ہے۔ وہ ہمیشہ تضرع کرتا ہے اور درندوں کے لیے روزی طلب کرتا ہے۔ نیز حق تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔

وفی السماء رزقکم وما توعدون (الزاریات: ۲۲)

یعنی تمہاری روزی اور جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے، آسمان میں ہے۔ انسان کی سب سے بڑی خواہش اپنی روزی کے مقام کی طرف خواہش رکھنا ہے اور اس طرف توجہ رکھنا ہے۔ اس وجہ سے لوگ اپنے ہاتھ اور چہرے کو عرش اور آسمان کی جانب اٹھاتے ہیں۔

Marfat.com

۲) نیز مروی ہے کہ عبادت کی چند قسمیں ہیں۔ دعا کرنا بھی نماز کی طرح ایک قسم کی عبادت ہے۔ جس طرح اللہ نے خانہ کعبہ کو نماز کے لیے قبلہ قرار دیا ہے، اسی طرح آسمان کو دعا کرنے کے لیے قبلہ بنایا ہے۔ لہٰذا اسی وجہ سے تضرع وزاری کے وقت آسمان کی طرف ہاتھوں کو اٹھانے کا حکم دیا، کیوں کہ یہ عبودیت اور خضوع وخشوع کی علامت ہے۔

۳) اس سوال کا ایک اور جواب یہ ہے کہ ہر لطیف (چیز) بلندی کی طرف مائل ہوتی ہے، کیوں کہ ہر چیز اپنے اصلی مکان کی طرف رجوع کرتی ہے۔ چونکہ انسان کا نفس ناطقہ (روح) لطیف ہے اور عالم علوی سے ہے جس نے اس مشت خاک کی طرف نزول کیا ہے، اس لیے اس کی توجہ ہمیشہ عالم بالا کی طرف رہتی ہے۔ پس دعا کے وقت جو کہ مبدأ اعلیٰ کی طرف توجہ کا تقاضا کرتا ہے، اپنے عالم کی طرف مائل ہوتا ہے اور وہ بغیر فکر و تامل اور سوچ بچار کے بلکہ اپنی طبعی توجہ سے آسمان کی جانب متوجہ ہوتا ہے۔

۴) اللہ تعالیٰ نے ایک عالم کو قائم کیا ہے۔ ایک حصہ علل اور ایک معلولات، ایک حصہ اسباب اور ایک مسببات۔ عالم علوی کو مسکن ملائکہ اور حاملان عرش قرار دیا ہے۔ بعض فرشتے مخلوقات کی حفاظت کے لیے متوجہ رہتے ہیں، بعض اعمال اور عبادات کو اوپر لے جانے پر مقرر ہیں۔ بعض بندوں کی روزی پہنچانے پر مقرر ہیں اور بعض ان کی روح قبض کرنے پر مامور ہیں۔ بعض بادل، برف اور بارش پر مؤکل ہیں اور بعض بلاؤں کے نزول پر۔ بعض بندوں کے اعمال لکھنے پر توجہ رکھتے ہیں۔ لہٰذا بندہ دعا کے وقت اپنے ہاتھوں کو آسمان کی جانب، جو کہ عالم اسباب ہے، تضرع

Marfat.com

وزاری سے بلند کرتا ہے۔ عالم علوی کے اسباب اور اعمال کے محافظ فرشتے ان کے علاوہ دوسرے اس کو مشاہدہ کر کے اور اس کے گریہ وزاری پر رحم کر کے، بندہ کی دعا کی قبولیت کا وسیلہ بنتے ہیں اور اس کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن کی آیات اور احادیث میں وارد ہوا ہے کہ فرشتے اہل زمین کے لیے شفاعت و بخشش طلب کرتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وتری الملٰئکة حافین من حول العرش یسبحون بحمد ربھم (الزمر ۳۹:۷۵) والملٰئکة یسبحون بحمد ربھم ویستغفرون لمن فی الارض (الشوریٰ ۴۲:۵)

یعنی تو فرشتوں کو دیکھتا ہے کہ وہ عرش کا طواف کرتے ہیں اور اپنے پروردگار کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور اہل زمین کے لیے بخشش مانگتے ہیں۔ لہٰذا فرشتوں کی جانب معنوی قرب، نہ کہ مکانی قرب، کی نظر سے دیکھنے سے جناب الٰہی کی درگاہ سے اس بندہ کو فیض عطا ہوتا ہے۔ شاید اس کا آسمان کی جناب ہاتھ اٹھانے سے یہ فائدہ ہو اور یہ خوب فائدہ ہے۔ شاید یہ آخری دو وجہیں بھی ان حکمتوں میں سے ہوں جن کو ملحوظ رکھ کر دعا کے وقت ہاتھ آسمان کی طرف بلند کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

معراج پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سبب

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس جسم کے ساتھ آسمانوں کی جانب بلند ہونے کی وجہ یہ تھی کہ آپ ظاہری آنکھوں سے آیات کبریٰ کا مشاہدہ کریں۔ قدرت الٰہی کے عجیب وغریب صنائع اور دلائل کو ملاحظہ فرمائیں۔ جلال و جمال کے سراپردے اور نور، عرش

Marfat.com

اور کرسی حجاب آسمان کے کارکنان ___ فرشتوں کی اقسام سے اطلاع پائیں، تمام پیغمبروں کو دیکھیں اور ان کے مقامات سے بھی مطلع ہوں تاکہ ان کے دیکھنے سے زمین اور آسمان کی بادشاہت سے اطلاع حاصل کریں۔ جس طرح آسمانوں اور زمین کی بادشاہت (ملکوت) حضرت ابراہیمؑ کو دکھائی، چنانچہ قرآن مجید میں فرمایا:

وکذلک نری ابرٰھیم ملکوت السمٰوٰت والارض ولیکون من الموقنین (الانعام:۷۵)

یعنی اور اسی طرح ہم نے ابراہیمؑ کو ربوبیت، بادشاہی اور آسمانوں اور زمین کے عجائبات، فوق عرش سے تحت زمین تک، یعنی تمام چیزوں کو اس لیے منکشف کر دیا تاکہ اس سے وہ ہماری قدرت کاملہ پر استدلال کرے اور ہماری وحدانیت پر یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے۔ پس ابراہیمؑ پر تو ان کا انکشاف ہوا لیکن ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی جسم کے ساتھ لے گئے۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام چیزوں کو ظاہری آنکھ سے ملاحظہ کیا۔ آیات کبریٰ کا ملاحظہ کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب کا باعث ہوا۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم منزلت کے لحاظ سے درگارالٰہی کے مقرب بن گئے نہ کہ مکان کے لحاظ سے اور حق تعالیٰ نے قرآن میں سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں، جس میں معراج حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حکایت بیان کرتے ہیں، فرماتے ہیں:

لنریه من اٰیتنا (الاسرا:۱)

یعنی ہم اُسے آسمانوں پر لے گئے تاکہ اُسے اپنی توحید کی آیات اور دلائل دکھائیں۔ یہ بات واضح ہے کہ ان چیزوں کا ملاحظہ کرنا خدا تعالیٰ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے

Marfat.com

معنوی قرب کا سبب ہوا نہ کہ مکانی قرب کا اور آنحضرت ﷺ کے مرتبہ میں زیادتی کا سبب ہوا۔ لہٰذا معراج آیات کے ملاحظہ کے لیے ہوئی نہ اس لیے کہ خدا کا عرش یا آسمانوں میں کوئی مکان تھا۔ ہم نے دلیل و برہان سے ثابت کیا کہ خدا کا جسم نہیں اور نہ ہی اس کا کوئی مکان ہے۔

نیز یہ جاننا چاہیے کہ خدا تعالیٰ کو کسی چیز سے نسبت نہیں دی جاسکتی اور اس کو کسی چیز کے ساتھ قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

اللہ اکبر کا مطلب کیا ہے

اللہ اکبر کا ظاہری معنیٰ یہ ہے کہ خدا سب سے بڑا ہے۔ جن لوگوں کی عقل ناقص ہے، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا کو پوری وسعت کے ساتھ جتنی وہ معلوم ہوتی ہے، ملاحظہ کرنا چاہیے، پھر خدا کو اس سے بڑا سمجھنا چاہیے اس جسم کی مانند جو دوسرے جسم سے بڑا ہو۔ اگر کوئی شخص وہم و خیال کو اللہ اکبر کے معنیٰ میں دخل دیتا ہے، تو یہ باطل ہے۔ اور اگر کسی شخص نے خدا کو اسی طرح سمجھا ہے اور اس طرح اس کی معرفت حاصل کی ہے تو اس نے خدا کو پہچانا ہی نہیں اور نہ ہی اس کی عبادت کی ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ خدا کے لیے مقدار ہو۔ جس کے لیے مقدار ہوگی، وہ قابل تقسیم ہوگا اور جو قابل تقسیم ہوگا، وہ مرکب ہوگا اور جو مرکب ہوگا، اس کے اجزا ہوں گے اور جس کے اجزا ہوں گے، وہ محتاج ہوگا اور جو محتاج ہے، وہ حادث ہوگا اور جو حادث ہے، اس کے لیے محدث ہوگا اور جو محدث کا محتاج ہوگا، وہ فقیر اور ممکن ہوگا، لہٰذا ایسا خدائی کے لائق نہ ہوگا۔

پس اللہ اکبر کا یہ معنیٰ نہیں ہے۔ بلکہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ خدا بڑا ہے اس سے کہ کسی

Marfat.com

خیال میں آئے اور مثل ہو سکے یا کوئی فہم اس کا ادراک کر سکے یہاں تک کہ آسمان کے تمام فرشتے ___ حاملان عرش وکرسی اور کروبیان سب حیران ہیں بلکہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

ما عرفناك حق معرفتك

یعنی ہم نے تیری معرفت حاصل نہیں کی جیسا کہ تیری معرفت کا حق ہے۔

لہٰذا جو تیرے ذہن، خیال یا وہم میں آئے، تو اُسے خدا نہ سمجھ، کیوں کہ جو خیال میں داخل ہوا ہے، وہ ایک حد کے اندر محدود ہے، لیکن خدا کے لیے کوئی حد نہیں ہے۔

۴۔ خداوند عالم مرئی (قابل دید) نہیں ہے

خدا تعالیٰ مرئی نہیں ہے یعنی اس کو دیکھا نہیں جا سکتا ___ کسی عالم کسی مکان اور کسی زمانے میں۔ اور کوئی شخص اس کو نہیں دیکھتا ___ نہ پیغمبروں میں سے اور نہ ان کے اوصیاء میں سے، نہ فرشتے اسے دیکھتے اور نہ ان کے علاوہ۔ نیز عقل اس کی حقیقت کا ادراک نہیں کر سکتی اور نہ وہم وخیال اس کی ذات کا احاطہ کر سکتے ہیں۔ اس بارے میں بہت سی آیات اور احادیث وارد ہوئی ہیں۔ وہ احادیث جن سے وہم ہوتا ہے کہ اس (عقیدے) کے خلاف وارد ہوئی ہیں، ان کی تاویل دیدۂ دل کے ادراک کرنے سے کی گئی ہے اور یہ عقلی اور باطنی رؤیت ہے جو اعضاء وجوارح کے ساتھ نہیں اور در حقیقت یہ رؤیت نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا ہے کہ اُسے ظاہری آنکھیں نہیں دیکھتیں، بلکہ دل اُسے ایمان کی حقیقت سے دیکھتے ہیں یعنی جس اثر کا مشاہدہ کیا جاتا ہے، وہ شہادت دیتا ہے مؤثر کے وجود پر جو کسی غیر کا اثر نہ ہو، اور جو مؤثر کسی غیر کا اثر نہ ہوگا، وہ خدا ہے۔ لہٰذا اس کی خدائی کے آثار اور شواہد بے

Marfat.com

شمار ہیں۔ پس وہ عقل کی نظر میں اتنا ظاہر اور ہویدا ہو جاتا ہے کہ عقل قطعی طور پر اس کے وجود کو مان لیتی ہے اس سے زیادہ یقین کے ساتھ جس کا ظاہری آنکھ حکم کرتی ہے۔ اس بات کو تیسری فصل میں بیان کیا گیا ہے۔

خدا تعالیٰ کے نہ دیکھے جانے پر دلیل یہ ہے کہ یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ بدن کی ظاہری آنکھ اس وقت دیکھتی ہے جب کوئی چیز اس کے سامنے ہو اور سامنے ہونا سمت و جہت اور مکان پر موقوف ہے اور ان سے مقدار، جسم، شکل اور ترکیب پیدا ہوتی ہے، کیونکہ جو چیز جہت و مکان میں ہوتی ہے، وہ یا تو جسم رکھے گی یا اس نے جسم میں حلول کیا ہوگا اور خدا تعالیٰ ان سب باتوں سے پاک ہے۔ کیوں کہ یہ سب باتیں نقص ہیں اور نقص واجب الوجود ہونے کے خلاف ہے جیسا کہ پہلے ثابت کیا ہے۔ نیز ہم کہتے ہیں کہ روح کا نہ دیکھا جانا دلالت کرتا ہے کہ خدا کا دیکھنا محال ہے۔ معتزلہ کا گروہ بھی خدا تعالیٰ کی رؤیت کو محال جانتا ہے۔۔۔(۸)

---

(۸) ''بحثی مبسوط در آموزش عقاید'' میں ''قرآن کریم میں صفات سلبیہ'' کے عنوان کے تحت بحث کی ہے۔ مسئلہ رویت کا خلاصہ ذیل میں دیا جاتا ہے:۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے ''لا تدرکہ الابصار۔۔۔(الانعام ۶:۱۰۳) یعنی ان ظاہری آنکھوں سے خدا کو نہیں دیکھا جا سکتا۔ لیکن بعض قرآنی آیات ایسی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ روز قیامت ان مادی آنکھوں کے ساتھ دیکھا جا سکتا ہے۔ نمونہ کے طور پر ان آیات میں ارشاد ہے:

وجوہ یومئذ ناضرۃ۔ الی ربہا ناظرۃ۔ (قیامت ۷۵:۲۲۔۲۳)

''اس روز بہت سے چہرے تو تر و تازہ بشاش ہوں گے اور اپنے پروردگار (کی نعمت) کو دیکھ رہے ہوں گے''۔ (جاری ہے)

Marfat.com

۵۔خداتعالیٰ کا کوئی محل نہیں ہے

خداوندعالم کا کوئی محل نہیں ہے۔ایک جماعت نے اس کی یہ تفسیر کی ہے کہ وہ کسی چیز میں حلول نہیں کرتا۔لہٰذا عیسائیوں کی بعض جماعتوں کا قول ہے کہ خدا نے

(حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ) ایک اور آیت میں آتا ہے۔

کلا انھم عن ربھم یومئذ لمحجوبون۔ (المطففین ۱۵:۸۳)

"بے شک ان کو اس روز اپنے پروردگار کے دیدار سے روک دیا جائے گا"۔۔۔ان آیات کا صحیح مطلب سمجھنے کے لیے آئمہ معصومینؑ کے ارشادات پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ان سے مسئلہ رویت خدا واضح ہو جاتا ہے۔۔۔

امیرالمؤمنین (حضرت علی علیہ السلام) رویت خدا کو قلب سے نسبت دیتے ہیں

ان اللہ احتجب عن العقول کما احتجب عن الابصار ولکن تراہ القلوب بحقائق الایمان" (نہج البلاغۃ)

امام حسین علیہ السلام دعائے عرفہ میں فرماتے ہیں۔عمیت عین لا تراک علیھا رقیبا۔ظاہر ہے کہ ان تعبیرات سے خداتعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری اور قلبی شہود (مشاہدہ) مراد ہے۔

(بحثی مبسوط درآموزش عقاید، ص۔۱۸۸)

نہج البلاغہ کے الفاظ یہ ہیں:۔

لا تدرکہ العیون بمشاھدۃ العیان، ولکن تدرکہ القلوب بحقائق الایمان۔

(نہج البلاغۃ، مطبوعہ قم (۱۳۹۵ھ)، ص۔۲۵۸)

ترجمہ: "آنکھیں اسے کھلم کھلا نہیں دیکھتیں، بلکہ دل ایمانی حقیقتوں سے اسے پہچانتے ہیں"۔(نہج البلاغہ، ترجمہ مفتی جعفر حسین اعلی اللہ مقامہ، ص۔۴۸۱)

یہ وہی جواب ہے جو ذعلب یمنی کے سوال پر آپؑ نے دیا تھا۔

قرآن مجید کی دو آیات اور ان کی مختصر تفسیر ذیل میں دی جاتی ہے۔اس سے زیرِ نظر مسئلہ رویت خداتعالیٰ واضح ہو جاتا ہے۔خداوند عالم کا سورہ الانعام میں ارشاد ہے:۔(جاری ہے)

Marfat.com

حضرت عیسیٰؑ یا جناب مریمؑ میں حلول کیا ہے، باطل ہے۔ اسی طرح صوفیوں کے گروہ حُلولیہَّ کا قول بھی باطل ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ خدا نے عارفوں کے دل میں یا سادہ رو بچوں میں اس طرح حلول کیا ہے جس طرح پانی کوزہ میں حلول کرتا ہے اور کوزہ کے

(حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ)

لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار ج وھو اللطیف الخبیر ۔(الانعام ۶:۱۰۳)

ترجمہ:۔"اس کو آنکھیں دیکھ نہیں سکتیں (نہ دنیا میں نہ آخرت میں) اور وہ (لوگوں کی) نظروں کو خوب دیکھتا ہے اور وہ بڑا باریک بین وخبردار ہے"۔

"تفسیر نمونہ" جلد ۵ میں اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے:"آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں، لیکن وہ سب آنکھوں کا ادراک رکھتا ہے اور وہ (طرح طرح کی نعمتوں کا) عطا کرنے والا ہے (اور چھوٹے چھوٹے کاموں سے باخبر) اور (تمام چیزوں سے) آگاہ ہے (ص۔۳۰۲)

تفسیر نمونہ کی اسی جلد میں رویت خدا تعالیٰ کے متعلق لکھا ہے:۔

"آنکھیں خدا کو نہیں دیکھ سکتیں: عقلی دلائل گواہی دیتے ہیں کہ خدا کو آنکھوں کے ساتھ ہرگز نہیں دیکھا جا سکتا، کیوں کہ آنکھیں صرف اجسام کو یا زیادہ صحیح طور پر یہ کہ وہ ان کی بعض کیفیات کو ہی دیکھ سکتی ہیں اور وہ چیز کہ جو نہ جسم ہے اور نہ ہی جسم کی کوئی کیفیت، ہرگز آنکھ سے نظر نہیں آسکتی۔ دوسرے الفاظ میں اگر کوئی چیز آنکھ سے دیکھی جا سکے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی مکان میں ہو اور کسی جہت میں ہو اور مادہ رکھتی ہو جب کہ وہ ان تمام باتوں سے (پاک اور) برتر ہے۔ وہ ایک ایسا وجود ہے جو نا محدود ہے اور وہ اسی دلیل سے جہان مادہ سے بالاتر ہے، کیوں کہ جہان مادہ میں تمام چیزیں محدود ہیں" (صفحہ۔۳۰۷)

دوسری آیت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خواہش رویت کے بارے میں ہے۔ سورہ الاعراف میں ارشاد پروردگار ہے:۔

ولما جاء موسیٰ لمیقاتنا و کلمہ ربہ لا قال رب ارنی انظر الیک ط قال لن ترنی ولکن انظر الی الجبل فان استقر مکانہ فسوف ترنی ج فلما تجلی ربہ للجبل جعلہ دکا و خر موسیٰ صعقا ج فلما افاق قال سبحنک تبت الیک و انا اول المؤمنین ٥ (الاعراف ۷:۱۴۳) (جاری ہے)

Marfat.com

باہر سے پانی اور اس کی طراوت کا ظاہر ہونا۔ وہ کہتے ہیں کہ خدا پانی کی مانند ہے اور یہ کوزہ کی مانند ہیں، کیونکہ اللہ کا نور ان سے ظاہر ہوا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ مذہب باطل ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ جو چیز کسی (دوسری) چیز میں حلول کرتی ہے، تو وہ اس

(حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ) ترجمہ: اور جب موسیٰؑ ہمارا وعدہ پورا کرنے (کوہ طور) پر آئے اور ان کا پروردگار ان سے ہم کلام ہوا تو موسیٰؑ نے عرض کی کہ خدایا تو مجھے اپنی جھلک دکھا دے کہ میں تجھے دیکھوں۔ خدا نے فرمایا تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے مگر ہاں اس پہاڑ کی طرف دیکھو (ہم اس پر اپنی تجلی ڈالتے ہیں) پس اگر پہاڑ اپنی جگہ پر قائم رہے تو سمجھنا کہ عنقریب مجھے بھی دیکھ لو گے (ورنہ نہیں) پھر جب ان کے پروردگار نے پہاڑ پر تجلی ڈالی تو اس کو چکنا چور کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے، پھر جب ہوش میں آئے تو کہنے لگے: خداوندا تو (دیکھنے دکھانے) سے پاک و پاکیزہ ہے، میں نے تیری بارگاہ میں توبہ کی اور میں سب سے پہلے (تیری عدم رویت کا) یقین کرتا ہوں"۔

"تفسیر نمونہ" کی جلد ۶ میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے رویت خدا کی خواہش کیوں کی؟ اس کا جواب دیتے ہوئے مذکورہ تفسیر کی زیر حوالہ جلد میں لکھا ہے:۔

حضرت موسیٰؑ نے رویت کی خواہش کیوں کی؟ یہاں پر پہلا سوال جو ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ جیسے اولوالعزم نبی کو اچھی طرح معلوم تھا کہ ذاتِ خداوندی قابل دید نہیں ہے کیوں کہ نہ تو وہ جسم ہے، نہ اس کے لیے کوئی مکان و جہت ہے۔ اس کے باوجود انہوں نے ایسی خواہش کیسے کر دی جو فی الحقیقت ایک عام انسان کی شان کے لیے بھی مناسب نہیں ہے؟ اس سوال کے جواب میں اگرچہ مفسرین نے مختلف جواب دیے ہیں لیکن سب سے واضح جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے یہ خواہش دراصل اپنی قوم کی طرف سے کی تھی، کیوں کہ بنی اسرائیل کے جہلاء میں سے ایک گروہ کا یہ اصرار تھا کہ وہ خدا کو کھلم کھلا دیکھیں گے تب جا کے ایمان لائیں گے (سورہ نساء کی آیت ۱۵۳ اس کی گواہ ہے)۔ حضرت موسیٰؑ کو اللہ کی جانب سے یہ حکم ملا کہ وہ اس درخواست کو خدا کی بارگاہ میں پیش کریں تا کہ سب اس کا جواب سن لیں۔

(جاری ہے)

Marfat.com

محل کی محتاج ہوگی اور یہ ظاہر بات ہے کہ خدا اپنے سے غیر کا محتاج نہیں ہے، کیونکہ جو اپنے سے غیر کا محتاج ہوگا، وہ ممکن ہوگا۔ پس اگر خدا کسی چیز میں حلول کرتا ہے، تو وہ ممکن ہو جائے گا۔ یہ انتہائی نقص ہے اور نقص خدا کے لیے جائز نہیں ہے۔

(حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ) کتاب اخبار عیون الرضا میں امام رضا علیہ السلام سے جو حدیث مروی ہے وہ بھی اس مطلب کی تائید کرتی ہے۔

اس تفسیر کے روشن قرائن میں سے ایک یہ ہے کہ اسی سورت کی آیت ۱۵۵ میں وارد ہوا ہے کہ اس ماجرا کے بعد حضرت موسیٰؑ نے خدا کی بارگاہ میں عرض کی:

اتھلکنا بما فعل السفہآء منا'' کیا تو اس عمل کی وجہ سے جو ہمارے نادانوں نے کیا ہے ہلاک کر دے گا؟ اس جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف یہ کہ حضرت موسیٰؑ نے یہ خواہش نہیں کی تھی بلکہ جو ستر آدمی ان کے ساتھ میعادگاہ میں گئے تھے ان کی بھی یہ خواہش نہ تھی، وہ حضرت موسیٰؑ کے منتخب شدہ علماء بنی اسرائیل تھے، ان کے لانے کا مقصد یہ تھا کہ وہ واپس جا کر اپنے مشاہدات ان سے بیان کریں۔ (تفسیر نمونہ (اردو ترجمہ) جلد ششم، ص۔ ۳۰۶)

بعد ازاں اسی تفسیر نمونہ میں دو اہم نکات بیان کیے گئے ہیں جو رویت خدا تعالیٰ سے متعلق ہیں۔ ان کو یہاں پر نقل کیا جاتا ہے:۔

خدائے متعال کسی صورت میں قابل رویت نہیں ہے۔ یہ آیت قرآن کی ان آیات میں سے ہے جو اس امر کی روشن دلیل ہیں کہ خدا کی رویت ممکن نہیں ہے، کیوں کہ لفظ ''لن'' بر بنائے مشہور دائمی نفی کے لیے آتا ہے۔ بنا بریں اس جملہ ''لن ترانی'' کا مفہوم یہ ہے کہ تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے نہ اس جہاں میں نہ اُس جہان میں۔

اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ کوئی اس بات کو ماننے سے انکار کر دے کہ ''لن'' نفی ابد کے لیے آتا ہے تب بھی آیت کا اطلاق نفی رویت کے لیے باقی رہتا ہے۔ کیوں کہ آیت میں رویت کی بغیر کسی قید و شرط کے نفی کی گئی ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ ذاتِ خداوندی کسی زمانے میں اور کسی حال میں قابل رویت نہیں ہے۔ (تفسیر نمونہ، جلد ششم، ص۔ ۳۰۹)

یہاں پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سوال و جواب کو نقل کر دیا جائے (جاری ہے)

Marfat.com

اسی طرح خدا تعالیٰ کسی چیز کے ساتھ متحد نہیں ہوتا یعنی کسی دوسری چیز کے ساتھ ضم نہیں ہوتا اس طریقے سے کہ دونوں بغیر امتیاز کے ایک ہو جائیں، کیونکہ دو چیزوں کا ایک ہو جانا محال ہے۔اس کے باوجود اس معنیٰ میں بہت نقص ہے جو خدا تعالیٰ کے لیے روا نہیں۔ نیز ہم کہتے ہیں کہ اگر اتحاد جائز ہو تو جس سے اتحاد ہو رہا ہے اگر وہ واجب الوجود ہے تو اس کا تعدد باطل ہے اور اگر وہ ممتنع الوجود ہے تو اس کا وجود ہی محال ہے، لہٰذا وہ ممکن میں منحصر ہو گیا اور یہ بھی باطل ہے، ورنہ لازم آئے گا کہ ممکن، واجب ہو جائے اور واجب ممکن اور یہ دونوں باتیں باطل ہیں۔ پس اتحادیہ کا قول، جو کہ صوفیوں کا ایک گروہ ہے، کہ خدا عارفوں میں شیر وشکر کی (مانند) ایک ہو جاتا ہے، باطل ہے۔

ایک جماعت نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ خدا حوادث کا محل نہیں ہے یعنی اس پر مختلف حالتیں مثلاً خواب، بیداری، کھانا، پینا، حرکت کرنا، آرام کرنا، بڑھاپا، جوانی، فراموشی ونسیان، صحت وبیماری، دل تنگی ودرماندگی اور ان ہی کی مانند دوسری

(حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ)

جو ذعلب یمنی اور امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کے درمیان ہوا تھا۔

ذعلب یمنی نے امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا آپؑ نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے؟ آپؑ نے فرمایا: کیف اعبد ربا لم ارہ" میں اس رب کی کیوں کر پرستش کر سکتا ہوں جسے دیکھا نہیں ہے۔ اس نے دریافت کیا کہ آپؑ نے کیسے دیکھا؟ آپ نے فرمایا: "لم تره العیون بمشاھدۃ الابصار ولکن راتہ القلوب بحقائق الایمان"۔ آنکھیں اسے آنکھوں کے مشاہدہ سے نہیں دیکھتیں بلکہ دل ایمانی حقیقتوں سے دیکھتے ہیں۔ (توحید صدوقؒ)۔ حضرت کے اس ارشاد سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ کے بارے میں جہاں جہاں نظر، رویت اور لقاء کے الفاظ آئے ہیں وہاں رویت بصری مراد نہیں ہے بلکہ رویت قلبی مراد ہے، جو علم ویقین کے معنیٰ میں ہے۔

(آؤ رب کو پہچانیں، ص۔۳۰۴)

Marfat.com

حالتیں وارد نہیں ہوتیں۔ خدا کے ان حالتوں سے منزہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ذات الٰہی پر ان کے عارض ہونے سے ذات اقدس میں تغیر کا سبب ہونگی، اور جونہی وہ متغیر ہوگا، حادث ہوجائے گا اور جب حادث ہوگا، تو ممکن ہوگا نہ کہ واجب الوجود بالذات۔ نیز ہم کہتے ہیں کہ ان حالتوں کا عارض ہونا نقص، عجز اور حاجت کا سبب ہے جو کہ خدا کے لیے جائز نہیں ہے اور خدا تعالیٰ ان سے بری ہے۔ پس ثابت ہوا کہ خدا محل حوادث نہیں ہے۔

۶۔ خداوند عالم معانی نہیں ہے (یعنی اس کی صفات عین ذات ہیں)

خدا تعالیٰ معانی نہیں ہے یعنی اس کی ذاتی صفات مثل علم، قدرت، حیات، سمع، بصر کے معانی اس کی ذات پر زائد نہیں ہیں جیسا کہ اشاعرہ کا گروہ کہتا ہے کہ حق تعالیٰ کی ذاتی صفات اس کی ذات پر زائد معانی رکھتی ہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذاتی صفات عین اس کی ذات ہیں۔ چنانچہ اس کے بعد اس کی تفصیل آئے گی۔ (۹)

(۹) علی ربانی گلپایگانی نے ''ایضاح المراد فی شرح کشف المراد'' میں اس عنوان (معانی) کو اس طرح قائم کیا ہے

فی نفی المعانی والاحوال و الصفات الزائدة فی الاعیان

یعنی معانی، احوال اور زائدہ صفات کی نفی کے بیان میں۔ حاشیہ میں علم کلام میں معنی کی تعریف دی ہے۔ اس حاشیہ کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:۔

اعلم أن ''المعنی'' عند المتکلمین عبارة عن خصوصیات الذات، من العلم والقدرة والحیاة وغیرها، وهی التی یعبّر عنها بالصفة فی المشهور، والصفة عندهم عبارة عن المفاهیم الدالة علی تلك الخصوصیات (جاری ہے)

Marfat.com

۷۔خدا تعالیٰ محتاج نہیں ہے

خدا محتاج نہیں ہے اور اپنے سے غیر کی احتیاج نہیں رکھتا۔ حاجت تو ممکن کے خواص میں سے ہے۔ لہٰذا خداوند عالم غنی مطلق ہے اور کسی طرح سے کسی اور کی حاجت نہیں رکھتا۔ وہ مکان، زمان، صورت، شکل، محل، مادہ اور ان کے غیر کا محتاج نہیں ہے، کیونکہ محتاج ہونا واجب الوجود ہونے کے منافی ہے۔ محتاج تو ممکن ہوتا ہے نہ کہ واجب الوجود بالذات۔

یہ بھی جان لے کہ بعض نے صفات سلبیہ کو سات سے کم ذکر کیا ہے اور بعض نے سات سے زیادہ بیان کی ہیں۔ ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ خدا تعالیٰ عَرَض نہیں ہے۔ عَرَض سے مراد وہ چیز ہے جس کا وجود دوسری چیز پر موقوف ہو۔ جب دوسری چیز قائم نہ ہو، اس وقت تک وہ (عَرَض) خارج میں موجود نہیں ہوسکتا مثلاً سفیدی، سیاہی، تمام رنگ اور ہر قسم کی بو کہ ان میں سے ہر ایک جب تک دوسری چیز کے ساتھ قائم نہ ہو، خارج میں موجود نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا عرض محل کا محتاج ہے اور محتاج

، کالعالم و القادر والحی و نحوھا، قال الشیخ المفید: "ان الصفة فی الحقیقة ما انبأت عن معنی مستفاد یخص الموصوف وما شارکه" (ایضاح المراد فی شرح کشف المراد، ص۔۱۱۱)

اس کا حاصل یہ ہے کہ متکلمین کے نزدیک معنیٰ سے مراد ذات کی خصوصیات ہیں جیسے علم، قدرت اور حیات وغیرہ اور اس سے عام فہم انداز میں صفت مراد لی جاتی ہے۔ اور ان (متکلمین) کے نزدیک صفت سے مراد ایسے مفاہیم ہیں جو ان خصوصیات پر دلالت کرتے ہیں جیسے عالم، صاحب قدرت (قادر) اور زندہ (حی) وغیرہ۔ شیخ مفیدؒ نے کہا، صفت سے درحقیقت ایسے معنیٰ نکلتے ہیں جو موصوف کی خصوصیات ظاہر کرتے ہیں۔

Marfat.com

ممکن ہے نہ کہ واجب الوجود۔

بعض نے جسم کی بجائے جوہر کا ذکر کیا ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ خدا جَوہَر نہیں ہے۔ جوہر عرض کے مقابل ہے۔ جوہر وہ ہوتا ہے جو خود قائم ہو اور یہ اپنے خارجی وجود میں کسی دوسری چیز کا محتاج نہیں ہوتا مثلاً جسم اور نفس ناطقہ جو کہ اپنے وجود میں احتیاج نہیں رکھتے کہ کسی دوسری چیز کے ساتھ قائم ہوں۔ جوہر ممکن ہے، چنانچہ کہا گیا ہے کہ جوہر ایک ایسا ممکن ہے جو کسی دوسری چیز کے ساتھ قائم نہیں ہوتا۔ لیکن خدا واجب الوجود بالذات ہے، لہٰذا خدا تعالیٰ جوہر نہیں ہے۔ اور اگر لفظ جسم کے ساتھ مذکور ہو جیسا کہ ہم نے بیان کیا، تو صراحت کے ساتھ اس گروہ کا رد ہوگا جو جسم کے قائل ہیں۔ بعض نے جسم اور جوہر دونوں کو الگ الگ بیان کیا ہے۔ جنہوں نے صفات سلبیہ کی تعداد کم بتائی ہے، انہوں نے بعض کو بعض صفات میں داخل کر دیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ہر صفتِ نقص کے لیے اعتقاد رکھنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ اس سے متصف نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا صفتِ نقص سے موصوف ہونا احتیاج رکھنے اور ممکن ہونے کا باعث ہے جو کہ واجب الوجود ہونے کے ساتھ تضاد رکھتا ہے۔

جان لے کہ صفات سلبیہ توحید کے توابع سے ہیں اور ان کا اعتقاد رکھنا اصول دین میں سے ہے، لیکن اس کا اعتقاد رکھنا کہ خدا تعالیٰ کا جسم نہیں اور اس کے لیے کوئی حالت نہیں، خاص شیعہ اثنا عشری کے اصول مذہب سے ہے۔ یہ اعتقاد کہ جسم ان اجسام کی طرح نہیں ہے، اصول دین میں سے ہے۔ نیز یہ اعتقاد کہ خدا تعالیٰ کو آخرت میں بھی دیکھا نہیں جا سکتا، اصول مذہب میں سے ہے، یہ اعتقاد بھی کہ خدا تعالیٰ معانی نہیں ہے، اصول مذہب میں سے ہے۔ چنانچہ ہم اس کا ذکر کریں گے۔

Marfat.com

صفاتِ خداوند عالم کی کیفیت کے بیان میں

پہلی قسم ذاتی صفات

جان لے کہ خدائے تعالیٰ کی صفاتِ ثبوتیہ کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم ذاتی صفات ہیں جو ہرگز ذاتِ الٰہی سے جدا نہیں ہوتیں، اور ان میں کوئی تغیر نہیں ہوتا۔ وہ ہمیشہ ذاتِ الٰہی کے لیے ثابت ہیں۔ اس کی ذات سے ان صفات کی نفی کرنا جائز نہیں۔ مثلاً صفتِ حیات، قدرت، سمع، بصر اور ان کی مانند ذاتی صفات سے ہیں اور ان کا ذاتِ الٰہی سے جدا ہونا محال ہے، کیونکہ ان کا ذات سے الگ ہونا باعثِ نقص ہے، اور نقص خدا تعالیٰ کے لیے جائز نہیں ہے۔

جان لے کہ ان صفات کی بھی دو قسمیں ہیں: (۱) ایسی صفات جن کی نسبت کسی دوسری چیز کے ساتھ دیکھی نہیں جاتی اور ان کے متعلقات خارج میں نہیں ہوتے۔ مثلاً حیات اور بقائے الٰہی یعنی زندہ ہونا اور باقی ہونا، اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔ اور ان کی نسبت ہرگز کسی چیز کے ساتھ دیکھی نہیں جاتی۔ اس قسم کی صفات کو "حقیقیہ محضہ" کہتے ہیں۔ اس قسم میں نسبت معتبر نہیں ہے، اور عارض بھی نہیں ہوتی اور صفت کا متحقق ہونا، اور اثر کا مرتب ہونا کوئی بھی دوسری چیز کے تحقق پر موقوف نہیں ہوتا، جو صفت کی طرف منسوب ہو۔ (۲) دوسری ایسی صفات ہیں جو ذاتِ الٰہی کے لیے ہوتی ہیں، اور ازل سے ابد تک ذات سے جدا نہیں ہوتیں، لیکن ان کی نسبت دوسری چیزوں کے ساتھ ملاحظہ ہوتی ہے اور یہ نسبت حادث کے بعد ہوتی ہے۔ مثلاً صفتِ علم اور قدرت کہ ازل میں خدا تعالیٰ تمام چیزوں کا علم رکھتا تھا اور ہر چیز پر قدرت رکھتا تھا، لیکن جب اس نے موجودات کو خلق کیا تو علم اور قدرت

Marfat.com

کا تعلق ان سے ہو گیا اور علم و معلوم اور قدرت و مقدور کے درمیان ایک نسبت قائم ہوگئی۔ یہ نسبت اللہ تعالیٰ کی ذات میں کوئی دخل نہیں رکھتی کہ اس کے تغیر سے ذاتِ الٰہی میں تغیر ہو۔ یعنی تخلیق سے پہلے اس نسبت کا نہ ہونا، اور تخلیق کے بعد اس نسبت کا قائم ہونا، اللہ تعالیٰ کی ذات میں کسی تغیر و تبدل کا باعث نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ یہ نسبت عین ذات نہیں ہے، بلکہ صفتِ علم اور صفت قدرت عین ذات ہیں اور یہ ہمیشہ باقی اور ثابت ہیں۔ اور ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ صفات کی اس قسم کو "حقیقیہ ذات الاضافہ" کہتے ہیں کہ اس قسم میں نسبت معتبر نہیں ہے، لیکن عارض ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس کا تحقق موقوف نہیں ہوتا لیکن ترتبِ اثر (اثر کا مرتب ہونا) کسی دوسری چیز پر موقوف ہوتا ہے۔ مثلاً عالم ہونا کسی چیز کا کہ اگر وہ جاننے کے قابل ہو تو وہ جان لیتا ہے۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ عالم تو موجود ہو، لیکن معلوم موجود نہ ہو۔ لہٰذا اس مذکورہ حیثیت میں منسوب چیز کا وجود لازم نہیں آتا اور جب معلوم، موجود ہو جاتا ہے تو لامحالہ نسبت متحقق ہو جاتی ہے، عالم اور معلوم کے درمیان۔

دوسری قسم فعل کی صفات میں

فعل کی صفات وہ ہوتی ہیں جو ہمیشہ ذاتِ الٰہی کے لیے ثابت نہ ہوں، بلکہ مخلوقات کے حاصل ہونے سے حاصل ہوتی ہیں۔ ذاتِ الٰہی سے ان کی نفی کرنا جائز ہوتا ہے۔ مثلاً رازقیت۔ یہ کہنا جائز ہے کہ خداوند عالم ان کا رازق ہے جو اب موجود ہیں اور جو پیدا ہو چکے ہیں اور جو ابھی تک معدوم ہیں، اور انہیں ابھی تک پیدا نہیں کیا، ان کا رازق نہیں ہے، کیونکہ جب تک مرزوق نہ ہو، رازقیت متحقق نہیں ہوتی بخلاف ذاتی صفات کے۔ یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ خدائے تعالیٰ عالم ہے اور عالم نہیں ہے۔ وہ

Marfat.com

قادر ہے اور قادر نہیں ہے ۔ ہر چند دو اعتبار سے ہو۔ صفاتِ فعل بہت ہیں مثلاً رازقیت (رازق ہونا)، خالقیت (خالق ہونا)، ساخطیت (غضبناک ہونا)، وہابیت (عطا کرنا)، جوادیت (سخی ہونا) اور ان ہی کی مانند جواذکار میں مذکور ہیں۔

یہ ذاتی صفات کے آثار ہوتی ہیں اور اُن پر موقوف ہوتی ہیں۔ لہٰذا جاننا چاہیے کہ صفاتِ فعل عینِ ذات نہیں ہیں اور ان کا ذات میں کوئی دخل نہیں۔ ان کا تغیر وتبدل ذات میں تغیر وتبدل کا باعث نہیں بنتا۔ اور اس سے کوئی نقص لازم نہیں آتا کہ یہ صفات کسی وقت ہوتی ہیں اور کسی وقت نہیں ہوتیں۔ کسی وقت ان صفات کا نہ ہونا نقص نہیں ہے مثلاً اس سے پہلے کہ خدا تعالیٰ خالد کو پیدا کرے، اس کو پیدا کرنے کی قدرت تو رکھتا ہے اور یہ قدرت عین ذات ہے، لیکن ابھی اس کی خالقیت اور رازقیت خالد پر صادق نہیں آتی۔ اس معنی سے کوئی نقص لازم نہیں آتا، بلکہ اس کے خلاف ہو تو نقص ہے۔ اس لیے کہ خالد کو اس زمانے سے پہلے پیدا کرنا جس میں پیدا ہونے میں مصلحت ہے، خلافِ مصلحت ہے۔ اور خلافِ مصلحت کام کرنا خدا کے لیے نقص ہے۔ لہٰذا اُس کا اس زمانے میں پیدا کرنا جس میں مصلحت ہے، کمال ہے اور اس کے سوا کسی اور زمانے میں پیدا کرنا نقص ہے اور نقص خدا تعالیٰ کے لیے جائز نہیں۔ اسی طرح باقی مخلوقات اور دوسری چیزیں جن کو پیدا نہیں کیا، ان کے پیدا کرنے میں مصلحت نہیں ہے اور اگر مصلحت ہوتی تو انہیں پیدا کیا جاتا۔ ان صفات کو "اضافہ محضیہ" کہتے ہیں کہ جن کا مفہوم اضافی ہوتا ہے۔ جس کا تصور ذات سے خارج امر کے ملاحظہ کرنے پر ہوتا ہے۔ تحققِ صفت (صفت کا متحقق ہونا) اور ترتب اثر (اثر کا مرتب ہونا) دونوں ایک دوسری چیز کے تحقق پر موقوف ہوتے ہیں جو کہ صفت سے منسوب ہوتی

Marfat.com

ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ ازروئے مفہوم، یہ صفت مخلوقات کے ساتھ نسبت سے معتبر ہوتی ہے۔

اگر کوئی کہے کہ رازق ہونا بھی اسی حیثیت سے ہے کہ اگر مرزوق متحقق ہوتو اُسے روزی دیتا ہے۔پس رازقیت اور عالمیت (عالم ہونا) میں کیا فرق ہے۔اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ ان مفہومات کے لیے عرف کے علاوہ اور کوئی مرجع نہیں ہوتا۔ چنانچہ جواد اور سخی کا اطلاق صرف اس پر کرتے ہیں جس سے جود و سخا عمل میں آ چکی ہو۔ بخلاف عالم ہونے کے کہ جس کی شان علم ہو یعنی کسی چیز کے انکشاف کی حالت رکھتا ہو، عرف میں اُسے عالم کہتے ہیں۔مثلاً اگر کسی کو علم منطق میں کوئی مشکل پیش آئے تو کہتے ہیں کہ اس مشکل کو حل کرنے والا فلاں منطقی شخص ہے، اگر چہ اس منطقی کے ذہن میں اس مشکل کی صورت نہ آئی ہو کجا کہ اس کے حل کے۔

اس مطلب کے شاہد (گواہ) کے لیے ہم بینائی کی مثال دیتے ہیں، کیونکہ بینائی کی قوت اس آدمی میں مانی جاتی ہے جو صحیح بصَر (دیکھنے) کا مالک ہو اگر چہ کوئی دیکھنے والی چیز اس کے سامنے نہ ہو۔لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ خدا ازل میں بینا تھا حالانکہ ازل میں ذات خدا کے علاوہ کوئی اور چیز نہ تھی، لہٰذا خدا کی بینائی نفسِ ذات میں ہے اور یہ صفت کمال ہے اور مرئیات (قابل دید چیزوں) کے وجود پر موقوف نہیں۔اور مرئیات سے تعلق اس کی عظمت و بزرگی کی نسبت ہے۔اور یہ خدا کا کمال نہیں ہے جیسا کہ تیرا کسی چیز کو دیکھنا تیرا کمال نہیں ہے، بلکہ بینائی تیرا کمال ہے۔اگر نہ ہو تو تجھے نابینا کہتے ہیں۔پس جو کچھ ہم نے کہا اس سے واضح ہو گیا کہ رازقیت، خالقیت، اور جود و سخا وغیرہ صفاتِ فعل (فعلی صفات) ہیں اور صفاتِ فعل وہ ہوتی ہیں جو اکثر فعل کے ارتکاب سے حاصل ہوتی ہیں اگر بعض میں

Marfat.com

کام کرنے سے پہلے حسب فطرت موجود ہوں تو نادر ہوتی ہیں مگر ان کا وجود ظاہر نہیں ہوتا، لیکن کام کرنے سے۔ پس اگر حادث ہوں تو کوئی عیب نہیں رکھتیں، کیوں کہ وہ عینِ ذات نہیں ہیں بخلاف ذاتی صفات کے جو کہ عین ذات ہوتی ہیں۔ لہٰذا ممکن نہیں ہے کہ یہ (صفاتِ ذات) حادث ہوں۔ جب تو نے یہ سمجھ لیا تو جان لے کہ درحقیقت تمام صفاتِ فعل (فعلی صفات) ایک سبب اور مبداء رکھتی ہیں کہ وہ مبداء عین ذات ہوتا ہے اور ہمیشہ باقی رہتا ہے۔ وہ ہرگز ذات سے الگ نہیں ہوتا اور جو تخلیق سے حاصل ہوتا ہے وہ ایک نسبت ہے۔ مثلاً رازقیت کا مبداء اور سبب روزی دینے پر قدرت ہے اور خالقیت کا مبداء خلق کرنے پر قدرت رکھنا ہے اور مبداء قدرت عین ذات ہے اور اس میں تغیر نہیں ہوتا بلکہ ذات ازل سے اس سے متصف ہے کہ ہمیشہ یہ امور اس سے صادر ہوں گے۔ اور جو ازل میں نہیں ہے اور مخلوقات کی تخلیق سے حاصل ہوتی ہے، وہ ایک نسبت ہے جو رازق و مرزوق اور خالق و مخلوق کے درمیان ہے اور یہ نسبت ایک اعتباری امر ہے جو ذاتِ الٰہی میں دخل نہیں رکھتا، تا کہ اس کا تغیر، ذاتِ الٰہی میں تغیر کا باعث ہو۔ اور اسی طرح یہ قول کہ ارادہ صفاتِ فعل میں سے ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ارادہ صفاتِ فعل (فعلی صفات) میں سے ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ارادہ کا مبداء علم الٰہی ہے ___ اصلاح و نظام کے متعلق یعنی خداوند عالم ازل میں علم رکھتا تھا کہ بندوں کے حال اور نظام عالم کے لیے جو اصلح (بہترین) ہے کہ موجودات میں سے ہر ایک کو کس وقت پیدا کرے اور کس طریقے سے پیدا کرے۔ اور یہ علم عین ذات ہے اور اس میں ہرگز کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوتا اور جس میں تبدیلی ہوتی ہے وہ نسبت ہے جو ذاتِ الٰہی میں کوئی دخل نہیں رکھتی۔ اسی کی تفصیل پہلے گزر چکی۔ لہٰذا تمام صفات کا مبداء علم و قدرت ہے۔ جو

Marfat.com

عین ذات ہیں اور ازل میں خداتعالیٰ کے لیے ثابت ہیں اور ذات الٰہی سے باہر نہیں ہیں۔ اس کے بعد جو نسبتیں حادث ہوتی ہیں۔ ذاتِ خداتعالیٰ میں کوئی دخل نہیں رکھتیں کہ ان کا تغیر ذاتِ اقدس میں تغیر کا باعث ہو، بلکہ چند اعتبار اور نسبتیں ہوتی ہیں جن سے ذات الٰہی متصف ہوتی ہے، ان متعلقات سے نسبت جو خارج میں موجود ہوتے ہیں۔

ہر ایک پر واجب ہے کہ وہ اعتقاد رکھے کہ خداتعالیٰ کی ذاتی صفات مثلاً قدرت، علم، حیات وغیرہ اس کی عین ذات ہیں اور ذات پر زائد نہیں ہیں اور اس سے مراد کہ خداتعالیٰ معانی نہیں ہے، یہی ہے۔ جیسا کہ ہم نے بیان کیا اور یہ اعتقاد اصول مذہب میں سے ہے اور ان کے انکار کرنے والے مثلاً اشاعرہ، اثنا عشری مذہب سے خارج ہیں۔

جان لے کہ اشاعرہ نے کہا ہے کہ حق تعالیٰ کی ذاتی صفات اس کی ذات پر زائد ہیں، اس معنیٰ میں کہ خداتعالیٰ کی الگ ایک ذات ہے اور صفات الگ ہیں کہ وہ صفات اسی ذات سے قائم ہیں۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ ذاتِ خداتعالیٰ صفت قدرت سے غیر ہے جو اس کی ذات سے قائم ہے اور ذاتِ خدا صفت علم کے علاوہ ہے۔ یہ صفت (علم) اس کی ذات سے قائم ہے اس مذہب کے باطل ہونے پر بہت سی دلیلیں ہیں۔ ہم تین دلیلوں پر اکتفا کرتے ہیں:۔

(۱) وہ صفات جو ذاتِ خداتعالیٰ کے علاوہ ہیں، وہ حادث ہوں گی یا قدیم۔ حادث سے مراد یہ ہے کہ کسی وقت نہ ہو اور اس کے بعد موجود ہوا ہو۔ اور قدیم سے مراد یہ ہے کہ ہمیشہ سے ہو اور کوئی ایسا وقت نہ گزرا ہو جس میں وہ نہ ہو۔ یہ دونوں قسمیں باطل ہیں، اس

Marfat.com

لیے کہ یہ صفات جو ذات پر زائد ہیں اگر حادث ہوں گی، تو لازم آتا ہے کہ خدا تعالیٰ ایک وقت میں ان کو نہ رکھتا ہوگا اور اس کے بعد وہ اس میں حادث ہوئی ہوں گی۔ نیز یہ بھی لازم آتا ہے کہ خدا تعالیٰ ایک وقت میں (معاذ اللہ) جاہل اور عاجز ہوگا اور اس کے بعد قادر اور عالم ہوا ہوگا۔ ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ خدا میں ان صفات کا حدوث یا اپنی جانب سے ہوگا یا غیر کی جانب سے۔ اگر اس کی اپنی جانب سے ہوگا تو لازم آتا ہے کہ جس وقت وہ قادر نہ تھا، تو اس نے بغیر قدرت کے کام کیا ہوگا یعنی قدرت سے پہلے صاحب قدرت ہوا ہوگا اور اگر اپنے سے غیر کی جانب سے ہوگا تو اس سے خدا تعالیٰ کا اپنے سے غیر کا محتاج ہونا لازم آتا ہے۔ ان سب صورتوں کا باطل ہونا ظاہر ہے۔ اور اگر وہ صفات زائدہ قدیم ہوں گی، تو اس سے لازم آتا ہے کہ ذاتِ خدا تعالیٰ کے علاوہ کوئی دوسرا بھی ہوگا۔ حالانکہ قدیم ہونا صرف ذاتِ خدا تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے۔ باقی تمام موجودات حادث ہیں۔ اس صورت کا باطل ہونا بھی ظاہر ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ صفاتِ الٰہی عین اس کی ذات ہیں۔

(۲) دوسرے یہ کہ اگر ایسی صفاتِ الٰہی عین ذات نہ ہوں گی، تو اس سے لازم آتا ہے کہ خدا تعالیٰ دو چیزوں سے مرکب ہوگا۔ ایک ذات اور دوسری صفات جو اس کی ذات پر زائد ہیں اور ذات سے قائم ہیں۔ پہلے ہم ثابت کر چکے ہیں کہ خدا تعالیٰ مرکب نہیں ہے۔ پس ثابت ہوا کہ خدا کی صفات عین اس کی ذات ہیں۔

(۳) تیسرے یہ کہ اگر صفاتِ الٰہی عین اس کی ذات نہ ہوں گی، تو واجب الوجود کی ذات میں نقص و احتیاج لازم آتا ہے، اس لیے کہ اس صورت میں ذاتِ الٰہی جاننے، ارادہ کرنے اور باقی صفات میں ان صفاتِ زائدہ کی محتاج ہوگی اور صرف

Marfat.com

ذات کفایت نہ کرے گی اور یہ باطل ہے، کیوں کہ ہم نے پہلے ثابت کیا ہے کہ ذاتِ الٰہی کسی چیز کی محتاج نہیں ہے۔ لہٰذا صفات الٰہی کو عین اس کی ذات ہونا چاہیے۔

جان لے کہ ایک جماعت نے ذات الٰہی سے صفات کی نفی کی ہے اور کہتی ہے کہ ذاتِ الٰہی کو کسی صفت سے متصف نہیں کیا جا سکتا اور در حقیقت اللہ کے لیے کوئی صفت ہی نہیں اور خدا کے قادر اور عالم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ خدا عاجز اور جاہل نہیں ہے۔ اس مذہب کا باطل ہونا ظاہر ہے، کیوں کہ اس سے تعطیل لازم آتی ہے، کیوں کہ جب خدا کو نہ عالم کہا جا سکتا ہے اور نہ جاہل، لہٰذا اس کے حق میں سکوت اختیار کرنا چاہیے۔ حالانکہ جب صفت قدرت کی اس سے نفی ہو جاتی ہے، تو عجز لازم آتا ہے۔ اور جب اس سے صفت علم کی نفی ہوتی ہے۔ تو جہالت لازم آتی ہے۔ لہٰذا اس مذہب سے خدا کا عجز، جہل اور نقص لازم آتا ہے۔ نیز یہ مذہب تمام انبیاء، اوصیاء، تمام ارباب شریعت اور تمام حکمائے اسلام کے خلاف ہے۔ لہٰذا اس کا بطلان (باطل ہونا) بہت زیادہ ظاہر ہے۔ ایک حدیث میں امیر المؤمنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے فرمایا ہے اوّل دین معرفت خدا ہے۔ کمال معرفت خدا اس کی توحید کے اقرار سے ہے۔ اور کمال توحید اس کی ذات سے صفات کی نفی کرنا ہے۔ اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ اس کی ذات کے لیے کوئی صفت ہی ثابت نہ کی جائے بلکہ مراد یہ ہے کہ ان صفات کی نفی کی جائے جو اس کی ذات پر زائد ہوں اور یہ نہ کہنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ کے لیے ایک الگ ذات ہے اور اس کے لیے صفات الگ ہیں جس طرح اشاعرہ کہتے ہیں جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا۔ آپؑ کی مراد یہ ہے ذات الٰہی کی صفات عین اس کی ذات ہیں اور کوئی علیحدہ چیز نہیں ہے جو اس کی ذات پر زائد ہو۔

Marfat.com

صفاتِ الٰہی عین اس کی ذات ہیں ___ اس سے کیا مراد ہے؟

صفاتِ خدا عین اس کی ذات ہیں۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ ذات اور صفات دو چیزیں ہیں اور باہم ایک ہوگئی ہیں، اس لیے کہ دو چیزوں کا ایک ہونا محال ہے، بلکہ مراد یہ ہے کہ ذات خدا تمام صفات کی مالک ہے۔ وہ کسی ایسی چیز کی محتاج نہیں جو ذات پر زائد ہو۔ مثلاً خدا تعالیٰ کے بندے کام کرنے کیلئے (صفت) قدرت کے محتاج ہیں (یعنی) اس کے کہ صفت قدرت ان کی ذات میں موجود ہوتا کہ ان کاموں کو کر سکیں۔ نیز چیزوں کے جاننے کے لیے وہ صفت علم کے محتاج ہیں تا کہ چیزوں کا علم ان کو ہو سکے۔ اس بنا پر جس کے پاس قدرت اور علم کی صفت نہ ہوگی، وہ کام کرنے کی قدرت نہ رکھے گا اور چیزوں کا علم اسے حاصل نہ ہوگا اگرچہ اس کی ذات موجود ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بندوں میں یہ صفات ان کی ذات کی غیر ہیں اور ان کی ذات پر زائد ہیں، لیکن ذات الٰہی کاموں کے کرنے کی قدرت رکھنے اور چیزوں کے جاننے میں ایسی صفت کی محتاج نہیں جو اس کی ذات پر زائد ہو۔ بلکہ وہ ایک بسیط و مجرد ذات ہے، ترکیب کو ہرگز اس میں دخل نہیں، وہ تمام صفاتِ کمالیہ کا مبداء و منشا ہے۔ پس ذاتِ الٰہی عین قدرت، عین علم اور عین تمام صفات ذاتیہ ہے۔

صفاتِ ذاتیہ ایک ہی ہیں

ایسا اعتقاد نہ رکھیں کہ خدا تعالیٰ کی ذاتی صفات ایک دوسری کی غیر ہیں مثلاً اس میں قدرت، علم کے علاوہ ہے اور علم، حیات کے علاوہ ہے اور حیات، قدرت کے علاوہ ہے اور اسی طرح (دیگر صفات)، اس لیے کہ اس سے ذاتِ الٰہی میں کثرت اور تعدد لازم آتا ہے۔

Marfat.com

مذہب حقہ کی رو سے یہ باطل ہے۔ مذہب حقہ یہ ہے کہ ذاتی صفات عین ذات ہیں۔ اعتقاد رکھنا چاہیے کہ تمام ذاتی صفات ایک ہی ہیں۔ مثلاً علم، عین قدرت (اس طرح دیگر صفات مثلاً)، حیات، سمع، بصر اور تمام صفاتِ ذاتیہ ہے اور یہ سب (صفات) عین علم ہیں اور قدرت عین علم اور عین حیات ہے اور یہ (دونوں) عین قدرت ہیں۔ اسی طرح تمام صفات عین ذات ہیں اور ذات عین صفات ہے بغیر تعدد، کثرت اور اختلاف کے۔ پس جب تو کہے کہ خدا عالم ہے تو سوائے ذات واحد بسیط کے قصد نہ کرے جس میں تکثر (کثرت) اور اختلاف کو ہرگز دخل نہیں۔ اسی طرح جب تو کہے کہ وہ بصیر یا سمیع یا قادر یا حی ہے، پس قصد کر قدرت سے ذات کا اور ذات سے قدرت کا اور علم سے ذات کا اور ذات سے علم کا اور اسی طرح باقی صفات میں۔ پس اس کی قدرت اس کی ذات ہوتی ہے اور اس کا علم اس کی ذات ہوتی ہے اور اس کی حیات اس کی ذات ہوتی ہے اور اس کی ذات اس کی حیات ہوتی ہے۔ سمجھنے اور سمجھانے کے لیے ان کو مختلف الفاظ میں ادا کرتے ہیں، ورنہ در حقیقت یہ سب ایک ہی ہیں اور ان میں تعدد نہیں ہے۔ اعتبارات سے (یہ) عبارات میں مختلف ہو جاتی ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اعتقاد رکھنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ تمام جہات سے ایک ذات بسیط ہے جو کہ عین وجود اور عین صفات ہے اور ہرگز تعدد، کثرت اور ترکیب کو ذاتِ الٰہی میں راہ نہیں۔

خدا تعالیٰ کا وجود اور ہستی عین اس کی ذات ہے

نیز یہ اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ خداوند عالم کا وجود اور ہستی عین اس کی ذات ہے۔ اس کی ذات اور اس کے وجود میں کوئی مغائرت نہیں ہے، اس لیے کہ اگر اس کا وجود اس کی ذات کا غیر ہوگا تو اس صورت میں یا ذات اس وجود کی تخلیق کا سبب ہوئی ہوگی یا غیر ذات۔ ان دونوں صورتوں کا باطل ہونا ظاہر ہے، اس لیے کہ اگر غیر ذات (تخلیق کا) سبب ہوئی ہوگی، تو

Marfat.com

اس سے لازم آتا ہے کہ وجودِ خدا کو کسی اور نے تخلیق کیا ہوگا۔ اس سے اللہ کا کسی اور کا محتاج ہونا لازم آتا ہے، لیکن یہ بات واجب الوجود بالذات ہونے کے منافی ہے، کیوں کہ محتاج ممکن ہوتا ہے نہ کہ واجب۔ ہم نے پہلے ثابت کیا ہے کہ خدا واجب الوجود بالذات ہے اور وہ کسی طریقے سے غیر کا محتاج نہیں، اور اگر ذات وجود کی تخلیق کا سبب ہوئی ہوگی تو اس سے لازم آتا ہے کہ ایسی ذات جو ابھی وجود و ہستی سے متصف نہ ہوئی ہو، کسی دوسری چیز کی تخلیق کا سبب بنے۔ حالانکہ جو چیز خود ہی موجود نہ ہو، وہ دوسری چیز کو خلق نہیں کر سکتی۔ لہٰذا خدا کا وجود، ذات پر زائد نہیں ہو سکتا کہ ذات اس وجود کے موجود ہونے کا سبب ہوئی ہو۔ اس کی تفصیل کو ہم نے تیسری فصل میں بیان کیا ہے۔ لہٰذا جب دونوں کا باطل ہونا معلوم ہو گیا، تو ثابت ہوا کہ خدا کا وجود اور ہستی عین اس کی ذات ہے اور اس کی ذات عین اس کا وجود ہے۔ نیز اس سے پہلے ہم نے ثابت کیا کہ اس کی ذاتی صفات عین اس کی ذات ہیں۔ چونکہ ذاتِ الٰہی اور اس کی ذاتی صفات کا عین ذات ہونے کا تصور کچھ اشکال رکھتا ہے، اس لیے ہم ایک مثال پیش کرتے ہیں تا کہ بات واضح ہو جائے (☆)

موجودات کے وجود اور صفات کے لحاظ سے تین مراتب ہیں

جان لے کہ موجودات کے اپنے وجود اور صفات کے لحاظ سے تین مراتب ہیں:۔

(۱) پہلے وہ جس کا وجود اور صفات ذات پر زائد ہوتے ہیں اور کوئی چیز اس کے وجود اور صفات کا سبب ہوتی ہے۔ مثلاً مخلوقات کا وجود اور صفات جو ان کی ذات سے زائد ہوتی ہیں

(☆) یہ مثال صاحب ''ہدایۃ الطالبین'' نے صرف سمجھانے کے لیے دی ہے۔ ورنہ در حقیقت اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی چیز نہیں جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔ ''لیس کمثلہ شئی (شوریٰ ۴۲:۱۱) کوئی چیز اس کی مثل نہیں''۔ (ترجمہ حافظ سید فرمان علی اعلی اللہ مقامہ)

Marfat.com

اور کوئی دوسرا ان کے موجود ہونے کا سبب ہوتا ہے۔اس کی مثال روشنی کا وجود ہے جو روئے زمین پر موجود ہوتی ہے۔ یہ روشنی زمین کی ذات کی غیر ہے اور زمین پر زائد ہے۔اس کے حاصل ہونے یا موجود ہونے کا سبب بھی زمین کے علاوہ ہے جو کہ سورج ہے۔

(۲) دوسری قسم وہ ہے جس کا وجود اور صفات اس کی ذات سے غیر ہوتے ہیں۔ لیکن ان (وجود اور صفات) کے موجود ہونے کا سبب کوئی دوسرا نہیں ہوتا بلکہ ذات سبب بنتی ہے۔اس کی مثال وہ روشنی ہے جو سورج اور آگ میں ہے۔ وہ روشنی سورج اور آگ کی غیر ہے اور ان کی ذات پر زائد ہے، لیکن اس روشنی کے موجود ہونے کا سبب سورج اور آگ کے علاوہ کوئی اور نہیں بلکہ سورج اور آگ کی ذات ہے۔

(۳) تیسری قسم وہ ہے جس کا وجود اور صفات ذات پر زائد نہیں ہوتے بلکہ اس کی عین ذات ہوتے ہیں اور ان سے متصف ہونے کے لیے (وہ ذات) کسی کی محتاج نہیں ہوتی۔ اس کی مثال نفسِ روشنی (خود روشنی) ہے، کیوں کہ اصل روشنی روشن ہونے میں کسی دوسری چیز کی محتاج نہیں۔اور یہ روشنی، روشنی کی ذات پر زائد نہیں، بلکہ عین ذات ہے اور روشنی ہرگز اپنی ذات سے جدا نہیں ہوتی۔ خدا تعالیٰ کا وجود اور صفات اسی کی مانند ہیں کہ خدا تعالیٰ تمام جہات سے ایک بسیط ذات ہے کہ وہ عین وجود اور عین اپنی صفات ہوتی ہے۔وہ اپنے وجود اور صفات میں کسی غیر کی محتاج نہیں اور وہ تمام مخلوقات کو پیدا کرتی ہے اور ان کی صفات کو انہیں عطا کرتی ہے جس طرح کہ وہ روشنی جو تمام چیزوں کو روشن کرتی ہے اور وہ خود ایک چیز ہے جو کہ عینِ روشنی ہے۔وہ اپنی ذات پر زائد نہیں ہے اور وہ کسی دوسری روشنی کی حاجت نہیں رکھتی۔

Marfat.com

دوسرا باب

عدل کے بیان میں

عدل اللہ کی صفاتِ ثبوتیہ میں سے ہے۔علماء نے اس کو الگ بیان کیا ہے۔ بعض نے اس کا سبب اس کے ساتھ زیادہ اہتمام کرنے کو بتایا ہے۔جان لے کہ عدل لغت میں ظلم وجور کی ضد ہے اور علم کلام کی اصطلاح میں افعال الٰہی سے متعلق علوم سے بحث کرنے ،فعل قبیح سے واجب الوجود کے پاک ہونے ،اور واجب الوجود کے مجبور ہونے سے منزہ ہونے سے بحث کی جاتی ہے۔لہٰذا عدل کو افعال الٰہی میں کمال حاصل ہے۔پس ہر ایک پر واجب ہے کہ وہ اعتقاد رکھے کہ خدا تعالیٰ عادل ہے،اور جو کچھ کرتا ہے از روئے عدل کرتا ہے، ہر چیز کو عدل سے اپنے مقام پر رکھتا ہے اور ظلم وستم نہیں کرتا اور بغیر استحقاق مؤاخذہ اور عذاب نہیں دیتا۔

عدالت مطلقہ

عدل پر اعتقاد رکھنا اس معنی میں کہ عدالت مطلقہ ظلم کے مقابل ہے یعنی خدا تعالیٰ ظالم نہیں ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اصول دین سے ہے، لہٰذا جو عدل کے اس معنی سے انکار کرتا ہے، وہ کافر ہے۔

عدالت خاصہ

عدالت خاصہ جبریہؔ مذہب کے مقابل ہے۔ان کا قول ہے کہ خدا نے بندوں کو کاموں (کی بجا آوری) میں مجبور پیدا کیا ہے۔عدالت خاصہ اصول مذہب

Marfat.com

سے ہے جس پر شیعہ اثنا عشری مذہب کی بنیاد ہے۔ عدالت خاصہ کا منکر اثنا عشری سے خارج ہے نہ کہ دین اسلام سے۔ ہم جلد ہی اس کی تفصیل بیان کریں گے۔

عدالت مطلقہ کے اثبات پر دلیل

قرآن اور حدیث میں اس پر بہت سی دلیلیں ہیں کہ خدا عادل ہے، ظلم نہیں کرتا۔ لیکن اس پر عقلی دلیل وہ ہے جو ہم نے پہلے ثابت کیا کہ ذاتِ خدا تمام صفاتِ کمال سے متصف اور تمام صفاتِ نقص سے منزہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا ظلم نہیں کرتا، کیوں کہ ظلم قبیح ہے اور از روئے عقل قبیح کو وہی اختیار کرتا ہے جو اس فعل کے قبیح ہونے سے جاہل ہو، یا اس کے برا ہونے کا تو عالم ہو لیکن اسے ترک کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو، یا اُسے ترک کرنے کی قدرت رکھتا ہو، لیکن کسی حاجت کے تحت اس کا ارتکاب کرے مثلاً چاہتا ہے کہ اپنے آپ سے کسی ضرر کو دور کرے، یا اپنے آپ کو کوئی نفع پہنچائے یا اس کے برا ہونے کا عالم بھی ہو اور اس کو ترک کرنے کی قدرت بھی رکھتا ہو، لیکن اس فعل کا فضول ارتکاب کرے۔ پہلی صورت میں خدا کے لیے جہل لازم آتا ہے، دوسری میں عجز، تیسری میں حاجت رکھنا اور چوتھی میں سفاہت (بے وقوفی)، لیکن ان میں سے کوئی بھی واجب الوجود کے لیے جائز نہیں۔ لہٰذا حق تعالیٰ کے لیے ظلم کا تصور محال ہے۔ جان لے کہ اس مقام پر عدل سے متعلق چند اعتقادات ہیں جن کو ہم چند مباحث میں بیان کرتے ہیں۔

جبر وتفویض کا مبحث

ہر ایک کے لیے یہ اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ اللہ نے تمام بندوں کو اپنے کام

Marfat.com

کرنے اور نہ کرنے کے لیے قدرت و اختیار کے ساتھ پیدا کیا، اس معنیٰ میں کہ بندے اپنے افعال میں نہ مجبور ہیں کہ اُن کے ترک کرنے کی قدرت نہ رکھتے ہوں، وہ فعل کے لیے آلے کا کام دیں اور خود بے کار رہوں جیسا کہ اشاعرہ کہتے ہیں، اور نہ بروجہ تفویض یعنی بندوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیا ہو اور وہ اپنے افعال میں مختارِ کل ہوں اور اپنے وجود کے بعد اللہ تعالیٰ سے کوئی حاجت نہ رکھتے ہوں جیسا کہ معتزلہ کہتے ہیں، بلکہ دونوں (جبر و تفویض) کے درمیان ایک امر ہے، جیسا کہ احادیث میں وارد ہوا ہے۔ ان میں سے ایک حدیث حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا:

لا جبر ولا تفویض بل امر بین الامرین

یعنی نہ جبر ہے کہ بندے اپنے افعال میں مجبور ہوں اور نہ تفویض ہے کہ انہیں اپنے حال پر (آزاد) چھوڑ دیا ہو، بلکہ دونوں کے درمیان ایک امر ہے۔ آپ کی خدمت میں عرض کی گئی کہ دونوں کے درمیان امر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس کی مثال یہ ہے کہ تو نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ گناہ کرتا ہے، تو تُو نے اس کو گناہ کرنے سے منع کیا، لیکن اس نے اس گناہ کو ترک نہ کیا۔ پس تو نے اُسے اپنے حال پر چھوڑ دیا اور جبر سے اس کو اس گناہ سے باز نہ رکھا، لہٰذا اُس آدمی نے اس معصیت کا ارتکاب کیا۔ اس صورت میں اس شخص نے تیرے روکنے کو قبول نہ کیا، اور تو نے اُسے چھوڑ دیا اور جبر کے ساتھ (اس کو) اس گناہ سے نہ روکا، تو اس سے لازم نہیں آتا کہ تو نے اسے معصیت کا حکم دیا ہوگا اور اس کے گناہ سے تو راضی ہوا ہوگا، بلکہ جب تو نے اُسے منع کیا، تو تُو نے اُسے تفویض نہ کیا یعنی تو نے اُسے اپنے حال پر نہ چھوڑا اور جب آخر کار تو

Marfat.com

نے اُسے چھوڑا، پس تو نے اس پر جبر نہ کیا۔ بندوں کی طرف خدا کی نسبت ایسی ہی ہے۔

اکثر امامیہ علماء نے کہا ہے کہ دو امروں کے درمیانی امر سے مراد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے افعال میں بندوں پر جبر نہیں کیا، بلکہ وہ اپنے ارادے سے کام کرتے ہیں، مگر ان کا تمام افعال کی قدرت رکھنا، تمام احوال میں، اور اعضاء و جوارح کی مانند اسباب کا عطا کرنا، اور بدنی و روحانی قوتوں کا عطا کرنا جو کہ ضروری ہیں، اور ان اسباب کو مہلت دینا ___ یہ تمام خداوند عالم کی جانب سے ہیں۔ ان سے کام کیے جاتے ہیں۔ بس اتنا ہی خداوند عالم کا دخل بندوں کے کاموں میں قرآن وحدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ اور جو کچھ قرآن وحدیث سے معلوم ہوتا ہے، اسی پر اکتفا کرنا چاہیے۔ اس میں زیادہ فکر سے کام نہ لینا چاہیے کیوں کہ قدموں میں لغزش آنے کا محل ہے اور احادیث میں اس مسئلہ پر فکر کرنے سے روکا گیا ہے۔ اس قدر خدا تعالیٰ کی دخل اندازی سے جبر لازم نہیں آتا۔

آقا اور غلام کی مثال

چونکہ یہ مطلب مشکل ہے، اس لیے ہم ایک مثال بیان کرتے ہیں تاکہ بات واضح ہو مثلاً ایک بلند تختہ ہو جس پر پانی کا ایک پیالہ اور ایک شراب کا پیالہ رکھا ہو اور اس تختہ پر کسی کا ہاتھ نہ پہنچتا ہو۔ ایک آقا اپنے غلام کو اس طرح بلند کرے کہ اس کا ہاتھ اس تختہ تک پہنچ جائے۔ آقا اس کی حفاظت کرے اور اُسے کہے کہ پانی کے پیالے کو اٹھا لے، اور شراب کے پیالے کو مت اٹھانا۔ اگر تو نے پانی کا پیالہ اٹھا لیا اور میری اطاعت کی تو میں تجھے دس تومان دوں گا اور اگر تو نے میری نافرمانی کی اور شراب کے پیالے کو اٹھا لیا تو میں تجھے دس چھڑیاں ماروں گا۔ وہ غلام اپنے اختیار سے

Marfat.com

پانی کے پیالے کو نہیں اٹھاتا، بلکہ شراب کے پیالے کو اٹھالیتا ہے۔ اگر اس صورت میں آقا اس کو چھڑیاں مارے کہ تو نے کیوں میرے کہنے کے مطابق پانی کے پیالے کو نہ اٹھایا اور شراب کے پیالے کو میرے منع کرنے کے باوجود کیوں اٹھایا، تو وہ نہیں کہہ سکتا کہ تو نے مجھے کیوں بلند کیا اور کیوں میری حفاظت کی۔ اگر تو مجھے بلند نہ کرتا تو میں اس شراب کے پیالے کو نہ اٹھا سکتا۔ میرا شراب کو اٹھانا تجھ سے ہے یعنی تیری وجہ سے ہے۔ پس اگر غلام یہ کہے گا تو تمام صاحبان عقل شراب کے اٹھانے پر اس کی مذمت کریں گے اور اس کو کہیں گے کہ تو نے اپنے اختیار سے اس کو اٹھایا اور اپنے اختیار سے اپنے آقا کی نافرمانی کی، لہٰذا تو (دس) چھڑیاں کھانے کا مستحق ہے۔ وہ (غلام کو) چھڑیاں مارنے پر آقا کی مذمت نہیں کریں گے، بلکہ اس کی مدح کریں گے۔

ہم نے جو بیان کیا اس سے معلوم ہوا کہ اس قدر خدا کی دخل اندازی سے جبر لازم نہیں آتا، بلکہ بندے اپنے اطاعت و معصیت کے افعال میں فاعل مختار ہیں، کیوں کہ اگر بندے مختار نہ ہوں گے، جیسا کہ اشاعرہ کہتے ہیں، تو اس سے لازم آتا ہے کہ خدا تعالیٰ بغیر تقصیر ان کی مذمت کرے اور ان کو عذاب دے۔ اس کے نتیجے میں عالم برزخ، محشر اور عذاب جہنم ـــــ یہ سب جھوٹ ہو جائے گا۔ یہ بدیہاتِ عقل (عقلی طور پر ظاہر امور)، آیات قرآن اور احادیث کے خلاف ہے۔ یہ ظاہر بات ہے کہ ہم بندوں کا فعل وجود و عدم کی حیثیت سے مرتب ہوتا ہے ہمارے اپنے ارادے کے وجود و عدم پر۔ اختیار سے یہی مراد ہے۔

مذہب تفویض کے باطل ہونے کے بیان میں

مذہب تفویض کے باطل ہونے پر دلیل یہ ہے کہ ممکن الوجود کا واجب

Marfat.com

الوجود کا محتاج ہونا اس کے ممکن ہونے کی وجہ سے ہے۔ اور ممکن ہونا ہمیشہ سے ہے، پس احتیاج بھی ہمیشہ رہتی ہے۔ لہٰذا بندوں کا اپنے افعال میں مستقل ہونا جیسا کہ معتزلہ کہتے ہیں، باطل ہے (۱۰)

مذہب جبر کے باطل ہونے میں:۔

جان لے کہ مذہب جبر سے بہت سی خرابیاں لازم آتی ہیں، کیوں کہ فسق ومعاصی کی اقسام ___ زنا، لواطہ، شراب، جوا، چوری، کفر کی اقسام، بتوں اور ستاروں کی پرستش اور علاوہ ازیں جو گناہ بندوں کی زبان، ہاتھ اور تمام اعضا سے سرزد ہوتے ہیں، یہ تمام بغیر واسطہ کے حق تعالیٰ سے سرزد ہوں گے (معاذ اللہ)

نیز اس سے لازم آتا ہے کہ پیغمبروں کا بھیجنا، آسمانی کتابوں کا نازل کرنا،

---

(۱۰) مذہب تفویض کے رد میں احتجاج طبرسیؒ کا یہ حوالہ بہت اہم ہے۔ اصل عربی روایت کو ذیل میں دیا جاتا ہے۔

ابوالحسن علی بن احمد الدلال القمی قال :اختلف جماعة من الشیعة فی ان اللہ عزوجل فوض الی الائمة علیهم السلام ان یخلقوا ویرزقوا، فقال قوم : هذا محال ، لا یجوز علی اللہ تعالیٰ، لان الاجسام لا یقدر علی خلقها غیر اللہ عزوجل، وقال اخرون: بل اللہ اقدر الائمة علی ذلك، وفوض الیهم فخلقوا ورزقوا، وتنازعوا فی ذلك تنازعاً شدیداً، فقال قائل: مابالکم لا ترجعون الی ابی جعفر محمد بن عثمان فتسالونه عن ذلك لیو ضح لکم الحق فیه فانه الطریق الی صاحب الامر ، فرضیت الجماعة بابی جعفر وسلمت واجابت الی قوله فکتبوا المسألة وانفذوها الیه، فخرج الیهم من جهته توقیع ، نسخته :

ان اللہ تعالیٰ هوالذی خلق الاجسام، وقسم الارزاق، لانه لیس بجسم ولا حال فی جسم ، لیس کمثله شیء وهو السمیع البصیر۔ (جاری ہے)

Marfat.com

شرعی مسائل اور احکام کالانا، ارشاد و موعظہ کی تاکید، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تاکید، حدود، قصاص اور دیات کا جاری کرنا اور مسائل شرعیہ میں معذور اور غیر معذور کے درمیان فرق کرنا، عمد، سہو، فراموشی، خطاء، غفلت، جہالت، اختیار، اضطرار کے درمیان فرق کرنا ___ یہ سب باطل اور ضائع ہو جائیں گے۔۔۔

نیز اس سے لازم آتا ہے کہ خدا کا بندوں کو مکلّف بنانا، اطاعت کا حکم دینا

(گزشتہ سے پیوستہ) واما الائمة علیهم السلام فانهم یسألون الله تعالیٰ فیخلق، ویسألونه فیرزق ایجابا لمسالتهم واعظاما لحقهم

(ترجمہ ومتن کتاب شریف احتجاج تالیف شیخ جلیل احمد بن علی بن ابی طالب طبرسیؒ جلد ۲، صفحہ ۵۹۲-۵۹۳) اس میں فارسی ترجمہ شامل ہے)

اسی روایت کا اردو ترجمہ علامہ حسین بخش جاڑا اعلی اللہ مقامہ نے "مقدمہ تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف" میں دیا ہے۔ اس کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے شروع میں راوی کے نام کا اضافہ قوسین میں کر دیا ہے:۔

(ابوالحسن علی بن احمد دلال قمی سے روایت ہے کہ) ایک دفعہ (بار) تفویض کے مسئلہ میں شیعوں کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا۔ ایک گروہ کہتا تھا کہ اللہ نے آئمہ کو طاقت دی ہے کہ یہ پیدا بھی کرتے ہیں اور رزق بھی دیتے ہیں اور یہ معاملہ انہی کے سپرد ہے اور دوسرا گروہ اس عقیدہ کی تردید کرتا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ یہ چیز محالات میں سے ہے۔ کیوں کہ اجسام سوائے اللہ کے کوئی پیدا کر ہی نہیں سکتا۔ پس ان دونوں گروہوں کی رائے یہ ٹھہری کہ (ابوجعفر) محمد بن عثمان (نائب امامؑ) کی طرف رجوع کیا جائے۔ پس ان دونوں گروہوں نے (نائب مذکور کی وساطت سے) حضرت حجت عجؑ کی خدمت میں عریضہ بھیجا پس حضرت حجت علیہ السلام کی جانب سے یہ جواب صادر ہوا۔

(ترجمہ) تحقیق اللہ تعالیٰ تمام اجسام کا خالق ہے اور رزقوں کے تقسیم کرنے والا ہے کیوں کہ نہ وہ جسم ہے اور نہ جسموں میں حلول کرنے والا ہے، اس کی مثل کوئی شے نہیں ہے اور (جاری ہے)

Marfat.com

اور معاصی سے منع کرنا (معاذ اللہ) عبث بلکہ قبیح ہوگا۔ حالانکہ خدا تعالیٰ حکیم اور عادل ہے۔ وہ عدل وحکمت بلکہ فضل ورحمت سے اپنے بندوں سے سلوک کرتا ہے۔ پس کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ بندہ سے فرمائے کہ فلاں کام کر اور فلاں نہ کر (اس صورت میں کہ) اس نے بندہ کو کرنے اور نہ کرنے کی قدرت نہ دی ہو۔ وہ خود اس کام کو کرے

(گزشتہ سے پیوستہ) وہ سمیع وبصیر ہے، لیکن آئمہ علیہم السلام پس وہ اللہ سے سوال کرتے ہیں اور وہ پیدا کرتا ہے اور یہ سوال کرتے ہیں اور وہ رزق دیتا ہے ان کی دعاؤں کو مستجاب کرتے ہوئے اور ان کے حق کی عظمت کو بڑھاتے ہوئے (مقدمہ تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف ص ۲۵۹-۲۶۰)

اہل تفویض کے متعلق علامہ حسین بخش جاڑا (اعلی اللہ مقامہ) کی کتاب "لمعۃ الانوار فی عقائد الابرار" میں حضرت امام رضا علیہ السلام کی ایک مناجات کے چند فقرے لکھے ہیں پہلے عربی عبارت نقل کی جاتی ہے۔ پھر اس کا ترجمہ دیا جاتا ہے:۔

اللھم انا عبیدك وابناء عبیدك لانملك لا نفسنا نفعاً ولاضرا ولاموتا ولاحیٰوۃ ولانشورا اللھم من زعم انا ارباب فنحن عنه براء ومن زعم ان الینا الخلق وعلینا الرزق فنحن الیك منه براء کبرائۃ عیسی ابن مریم من النصاریٰ (الحدیث)

ترجمہ: اے اللہ ہم تیرے بندے اور تیرے بندوں کی اولاد ہیں۔ ہم اپنی ذات کے لیے نہ نفع نہ نقصان کے مالک ہیں نہ موت وزندگی ہمارے بس میں ہے اور نہ ہم مرنے کے بعد اٹھنے کے خود مالک ہیں۔ اے اللہ جو لوگ ہمیں رب سمجھتے ہیں ہم ان سے بے زار ہیں اور جو یہ سمجھتے ہیں کہ خلق ورزق کا معاملہ ہمارے سپرد ہے تو ہم تیری طرف ایسوں سے بے زار ہیں جس طرح حضرت عیسٰی علیہ السلام نصاریٰ سے بے زار تھے۔

(الحدیث (لمعۃ الانوار فی عقائد الابرار، صفحہ ۹۷-۹۸)

اسی مبحث کے ساتھ مذکور کتاب میں اس آیت کا حوالہ دیا ہے:۔

قل لا املک لنفسی نفعا ولا ضرا الا ما شاء اللہ (الاعراف ۷:۱۸۸) (جاری ہے)

Marfat.com

اور پھر اس کا مؤاخذہ کرے اور اسے عذاب دے۔ اگر کوئی شخص ایک ایسے شخص سے، جو فالج کے مرض میں مبتلا ہو، کہے کہ فلاں کام کر، حالانکہ وہ مریض اٹھنے کی طاقت نہیں رکھتا، تو جو اس (بات) کو سنے گا، وہ (اس حکم دینے والے) کی بے وقوفی کا فیصلہ دے گا۔

(گزشتہ سے پیوستہ) ترجمہ: ''کہہ دو: میں اپنے نفع ونقصان کا مالک نہیں ہوں مگر جو کچھ خدا چاہے''۔ (تفسیر نمونہ، جلد ۷، صفحہ ۵۲)
تفسیر نمونہ میں اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے:۔
پہلے جملے میں پیغمبر اکرمؐ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے: ان سے کہہ دو کہ اپنے بارے میں مَیں کسی نفع اور نقصان کا مالک نہیں ہوں مگر وہ کہ جو خدا چاہے۔

(قل لااملك لنفسي نفعا ولا ضرا الا ماشاء الله)

اس میں شک نہیں کہ ہر شخص اپنے لیے نفع حاصل کرسکتا ہے یا ضرر اپنے سے دور کرسکتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود، جیسا کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ مندرجہ بالا آیت میں مطلقاً ہر بشر کی اس قدرت کی نفی کی گئی ہے اور یہ اس لیے ہے کہ درحقیقت انسان اپنے کاموں کے لیے اپنی طرف سے کوئی قدرت وطاقت نہیں رکھتا بلکہ تمام قدرتیں خدا کی طرف سے ہیں اور وہی ہے جس نے یہ قدرتیں انسانی اختیار میں دی ہیں۔

دوسرے لفظوں میں تمام قدرتوں کا مالک اور عالم ہستی میں بالذات صاحب اختیار صرف خدا کی ذات پاک ہے اور باقی سب یہاں تک کہ انبیاء اور ملائکہ بھی اسی سے قدرت حاصل کرتے ہیں اور ان کی مالکیت اور قادریت بالغیر ہے۔ الا ماشاء اللہ (مگر وہ جو چاہے اور میرے اختیار میں دے دے)۔ یہ بھی اسی مطلب پر گواہ ہے۔ (تفسیر نمونہ، جلد ۷، صفحہ ۵۲۔۵۳)

قرآن مجید کی اور بہت سی آیات میں بھی نفع ونقصان اور سود وزیاں کی غیر خدا سے مالکیت کی نفی کی گئی ہے۔ اسی بناء پر بتوں اور جو کچھ غیر خدا ہے اس کی پرستش سے منع کیا گیا ہے۔
سورئہ فرقان آیہ (آیت ۳) میں ہے:۔ (جاری ہے)

Marfat.com

خلاصہ یہ کہ اس مذہب (جبر) کا باطل ہونا ظاہر بات ہے اور یہ دلیل و برہان کا محتاج نہیں اور وہ آیات واحادیث جن کا ظاہر اس مذہب پر دلالت کرتا ہے، وہ توجیہہ وتاویل رکھتی ہیں اور اِن سے زیادہ آیات واحادیث اس کے خلاف ہیں جو تمام مذہب امامیہ پر دلالت کرتی ہیں۔۔۔

ہم کہتے ہیں کہ اس سے پہلے باب توحید، فصل ششم میں ہم نے بیان کیا کہ

(گزشتہ سے پیوستہ)

واتخذوا من دونہ الہۃ لا یخلقون شیئاً و ھم یخلقون ولا یملکون لا نفسھم ضراً و لا نفعاً (الفرقان۔ ۲۵:۳)

(ترجمہ) انہوں نے خدا کے علاوہ اپنے لیے معبود قرار دے رکھے ہیں، ایسے معبود جو کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود مخلوق ہیں اور اپنے بارے میں سود وزیاں پر اختیار نہیں رکھتے (چہ جائیکہ دوسروں کے بارے میں کچھ کرنے پر قادر ہوں) (ایضاً ص۔۵۳)

ہر مسلمان خدا کے علاوہ کسی کو بھی خالق، رازق اور نفع ونقصان کا مالک نہیں سمجھتا۔ اسی لیے اگر وہ کسی سے کوئی چیز مانگتا بھی ہے تو یہ حقیقت اس کی نظر میں ہوتی ہے کہ جو کچھ اس کے پاس ہے وہ خدا کی طرف سے ہے (غور کیجئے گا)۔

یہاں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جو لوگ انبیاء اور آئمہ کو کسی بھی کام میں وسیلہ قرار دینے کی نفی میں اس آیت کو دستاویز کے طور پر پیش کرتے ہیں اور اسے ایک قسم کا شرک سمجھتے ہیں، در اصل اشتباہ کا شکار ہیں، انہوں نے تصور کر لیا ہے کہ پیغمبر اور امام سے توسل کا مفہوم یہ ہے کہ انہیں خدا کے مقابلے میں مستقل اور سود وزیاں کا مالک سمجھا جائے۔ حالانکہ اگر کوئی یہ عقیدہ رکھے پیغمبر اور امام خود سے کچھ نہیں رکھتے بلکہ جو کچھ چاہتے ہیں خدا سے چاہتے ہیں۔ اس حالت میں ان سے توسل یا شفاعت وسفارش چاہنا تو عین توحید اور عین اخلاص ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ میں قرآن نے اسی مفہوم کی طرف اشارہ کیا ہے۔ نیز ''من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ'' میں ''الا باذنہ'' بھی اسی طرف اشارہ ہے۔ (جاری ہے)

Marfat.com

جو کچھ اللہ تعالیٰ نے عالم کبیر میں پیدا کیا ہے اس کا نمونہ انسان کے بدن میں، جو کہ عالم صغیر ہے، خلق کیا ہے۔ پس جس طرح اللہ تعالیٰ کے لیے ذاتی صفات اور صفاتِ فعل (فعلی صفات) ہیں، اسی طرح انسان کو اپنی جامعیت رکھنے والی صورت پر خلق کیا اور صاحب صفات پیدا کیا ہے تاکہ وہ اپنی صفات کو جاننے سے حق تعالیٰ کی صفات کو پہچانے اور سمجھے، مثلاً اپنے علم سے علمِ الٰہی کو اور اپنی قدرت سے قدرت الٰہی کو سمجھے، لیکن اللہ کی صفات اور بندہ کی صفات کے درمیان بہت فرق ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ انسان اپنی صفات میں آلات کا محتاج ہے، لیکن خدا تعالیٰ آلات کا محتاج نہیں۔ پس جس طرح خدا جو کچھ کرتا ہے، اپنی قدرت، ارادہ اور مشیت سے کرتا ہے۔ انسان کو بھی ایسا ہی ہونا چاہیے تاکہ اس حدیث کے مضمون کے مصداق ہو۔ اس کے شیعہ اور سنی دونوں قائل ہیں کہ فرمایا: جو شخص اپنے نفس کو پہچان لیتا ہے، وہ اپنے خدا کو پہچان لیتا ہے (من عرف نفسہ فقد عرف ربہ)۔ اپنی پہچان سے وہ اپنے خدا کو جامعیت کے، وصف کے ساتھ پہچان لیتا ہے۔ جس طرح ہر شخص اپنی صفتِ علم کی وجہ سے خود کو عالم جانتا ہے اور اس کا انکار، ایک کھلی اور ظاہری بات کا انکار ہے۔ اسی طرح

(گزشتہ سے پیوستہ)

اس بنا پر دو گروہ توسل کے معاملے میں اشتباہ کا شکار ہیں۔ ایک وہ جو پیغمبر یا امام کے لیے خدا کے مقابلے میں بالذات قدرت اور مستقل دستگاہ کے قائل ہیں اور یہ ایک قسم کا شرک اور بت پرستی ہے اور دوسرے وہ جو انبیاء اور آئمہ سے قدرت بالغیر کی نفی کرتے ہیں اور یہ بھی صریح آیاتِ قرآنی سے انحراف ہے۔ راہِ حق یہ ہے کہ انبیاء اور آئمہ حکم خدا سے اس کے ہاں شفاعت کرتے ہیں اور متوسل ہونے والے کی مشکل کا حل خدا سے چاہتے ہیں۔ (ایضاً، صفحہ ۵۳)

Marfat.com

اگر وہ اپنی خواہش اور ارادہ کا انکار کرتا ہے، تو وہ ایک واضح اور ظاہر بات کا انکار کرے گا۔ جس طرح اشعری نہیں کہہ سکتا کہ میں نے زید کی آواز نہیں سنی، اور میں نے بات نہیں کی۔ اور میں نے نہیں دیکھا بلکہ خدا نے سنا، خدا نے کہا اور خدا نے دیکھا۔ اگر وہ اس بات کو کہے گا، تو وہ ایک بدیہی بات (کھلی اور ظاہر بات) کا انکار کرے گا۔ یہی صورت ان تمام افعال کی ہے جو اعضاء و جوارح سے کیے جاتے ہیں۔ پہلے انسان اس (فعل) کا تصور کرتا ہے، اس کے بعد اس کا ارادہ کرتا ہے، پھر اعضاء و جوارح کو حرکت دیتا ہے تا کہ اس فعل کا صدور ہو، لہٰذا فاعل یہ شخص ہے نہ کہ خدا تعالیٰ، لیکن انسان فاعلیت (کام کرنے کی صلاحیت) میں مکمل نہیں ہے، کیوں کہ وہ فاعل جو فاعلیت میں کامل ہوگا۔ وہ تمام جہات سے مستحکم ہوگا، حالانکہ بندے کو اسباب اور آلات پر قدرت نہیں ہے بلکہ مثلاً اُس نے خود اپنے آپ کو صاحبِ قدرت نہیں کیا ہے بلکہ خدا نے اُس میں قدرت کو پیدا کیا۔ نیز بندہ نے خود کو صاحب مشیت (خواہش) اور صاحب ارادہ نہیں کیا ہے بلکہ ان کو خدا نے اس میں پیدا کیا جیسے کان اور آنکھ کو خدا نے بندے میں پیدا کیا، پس بندہ سنتا اور دیکھتا ہے لیکن وہ مستقل نہیں ہے۔ اگر خدا نہ چاہتا اور سننے اور دیکھنے کے آلات اس میں پیدا نہ کرتا، تو وہ نہ دیکھ سکتا اور نہ سُن سکتا۔ سننے والا اور دیکھنے والا تو انسان ہی ہے، لیکن وہ مستقل نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ انسان سے جو افعال صادر ہوتے ہیں، ان میں وہ خود جانتا ہے کہ فعل کے وجود میں اختیار، مشیت (خواہش) اور ارادہ کو دخل ہے۔ پس جبر نہیں ہے، لیکن

Marfat.com

چونکہ انسان میں قدرت، مشیت اور ارادہ کو پیدا کرنے والا خدا ہے اور فاعل (انسان) اسباب و آلات کے ساتھ پیدا ہوا، لہٰذا تفویض نہیں ہے۔ اور انسان فعل میں مستقل نہیں ہے۔ قدرت، ارادہ اور تمام آلاتِ فعل خدا نے انسان میں پیدا کیے اور موانع (رکاوٹوں) کو رفع کیا۔ لہٰذا اسباب و آلات کی خلقت، اور رفعِ موانع کو انسان نہیں کر سکتا، بلکہ (ان تمام کو) خدا نے انسان میں پیدا کیا ہے، لیکن اس وجہ سے لازم نہیں آتا کہ فعل کا فاعل خدا ہوگا، بلکہ فاعل تو انسان ہے، لیکن وہ خدا کی عطا کی ہوئی طاقت وقوت سے کرتا ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ فرمایا: کہہ میں نے کیا ہے، لیکن اللہ کی دی ہوئی طاقت اور قوت سے کیا ہے۔ پس لاحول ولاقوۃ الا باللہ کے معنی ظاہر ہو گئے یعنی موانع (رکاوٹوں) کا رفع کرنا، فعل کے شرائط اور اسباب کا وجود نہیں ہوتا مگر خدا سے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ ایک بافندہ (جولاہا) جب تک بُننے کے آلات و اسباب موجود نہ کرے، وہ (کپڑا) بُن نہیں سکتا۔ اس کے باوجود جس نے ان اسباب کو فراہم کیا، اُسے بافندہ (بُننے والا) نہیں کہتے، بلکہ فاعل بافندہ ہے، لیکن اگر وہ یہ کہے کہ میں فاعلیت میں مستقل ہوں، تو اس نے خطا کی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ خدا تمام صفات کمالیہ کا جامع ہے، تو اُس نے انسان کو بھی اپنی صفات کا مظہر پیدا کیا ہے۔ جس طرح وہ خالق اور فاعل ہے۔ انسان کو بھی اُس نے فاعل اور فعل کا صاحب آلات قرار دیا ہے، لیکن خدا تعالیٰ ایسا فاعل ہے جو فاعلیت میں کامل ہے اور کسی طرح کی احتیاج اور کمی نہیں رکھتا۔ انسان ایسا فاعل ہے

Marfat.com

کہ اس کی فاعلیت مستقل نہیں ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اعانت اور قوت سے ہے۔ اس تفصیل کے ساتھ جس کو ہم نے بیان کیا، مذہب امامیہ ثابت ہوا جو نہ جبرِ محض ہے اور نہ تفویضِ محض بلکہ ان کے بَین بَین ایک امر ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

ضمیمہ بعنوان: توحید خدا تعالیٰ

''بحثی مبسوط در آموزش عقاید'' کا ترجمہ
''اسلام میں عقیدہ توحید کی اہمیت''
کے تحت دی گئی احادیث کے بعد شروع ہوتا ہے۔

Marfat.com

اسلام میں عقیدۂ توحید کی اہمیت

عقیدۂ توحید کی اہمیت کے متعلق چند روایات ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

یہ کتاب: التوحید از شیخ صدوق علیہ الرحمۃ مطبوعہ کراچی (۲۰۱۱ء) سے لی گئی ہیں۔ یہ اردو میں ترجمہ ہے۔ اس کے مترجم سید عطا محمد عابدی (مرحوم) ہیں، اسناد کو حذف کر دیا ہے۔

۱۔ (بحذف اسناد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بہترین عبادت لا الٰہ الا اللہ کہنا ہے (صفحہ۔۱۶)

۲۔ (بحذف اسناد) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے قول خدا

"هوا هل التقوىٰ واهل المغفرة"

کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ "اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اس کا اہل اور لائق ہوں کہ مجھ سے ڈرا جائے اور میرا بندہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے اور میں اس بات کا بھی اہل ہوں کہ اگر میرا بندہ میرے ساتھ کسی شے کو شریک نہ کرے تو میں اس کو جنت میں داخل کر دوں گا۔ نیز آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنی عزت وجلال کی قسم کھاتا ہے کہ وہ اپنی توحید والوں کو تا ابد آتش جہنم کا عذاب نہ دے گا (صفحہ۔۱۶)

۳۔ (بحذف اسناد) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمام کلاموں میں سے ایک کلام بھی ایسا نہیں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک لا الٰہ الا اللہ کہنے سے زیادہ پسندیدہ ہو اور جو کوئی بندہ لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے اس کی آواز پھیلنے سے ختم ہونے تک اس کے گناہ جھڑ کر

Marfat.com

اس کے قدموں کے نیچے آ جاتے ہیں جس طرح درختوں کے پتے جھڑ کر نیچے گر جاتے ہیں (صفحہ ۱۷۔۱۸)

۴۔ (بحذف اسناد) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ جل جلالہ فرماتا ہے کہ لا الٰہ الا اللہ میرا قلعہ ہے۔ جو اس قلعہ میں داخل ہو گیا وہ میرے عذاب سے محفوظ رہا (صفحہ۔۱۹)

۵۔ یہ مشہور حدیث حضرت امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ جب آپ نے نیشاپور سے نکل کر مامون (رشید) کے پاس جانے کا ارادہ کیا تو لوگوں کے اصرار پر آپ نے یہ حدیث بیان فرمائی۔ الفاظ کا ترجمہ یہ ہے:۔

(بحذف اسناد) رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ میں نے حضرت جبرئیلؑ کو کہتے ہوئے سنا اور جبرئیلؑ کہتے تھے کہ میں نے اللہ جل جلالہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ لا الٰہ الا اللہ میرا قلعہ ہے جو شخص میرے اس قلعہ میں داخل ہوا وہ میرے عذاب سے محفوظ رہا۔

راوی کا بیان ہے کہ آنجنابؑ کی سواری آگے بڑھی تو آپؑ نے ہم لوگوں کو پکار کر کہا: یہ شروط کے ساتھ ہے اور میں بھی ان شروط میں سے ایک ہوں۔

اس کتاب کے مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ان شروط سے حضرت امام رضا علیہ السلام کے متعلق اقرار کہ وہ بھی بندوں پر اللہ کی طرف سے امام ہیں جن کی اطاعت بندوں پر فرض ہے (صفحہ ۱۹۔۲۰)

Marfat.com

کلمہ توحید

یہ کلمہ لغت کی رُو سے تفعیل کے وزن پر ہے اور مصدر ہے۔ اس کا مادہ ''وَحَدَ'' ہے۔ عربی زبان میں باب تفعیل کا ایک معنی کسی شخص یا چیز کو کسی صفت کے ساتھ متصف جاننا ہے، لہٰذا ایسے کلمات جیسے ''تعظیم''، ''تکریم'' اور ''تمجید'' کے علی الترتیب معانی یہ ہیں: بزرگ جاننا، کریم اور گرامی قدر شمار کرنا اور بزرگ و اعلیٰ مرتبہ کا سمجھنا ہے۔۔۔ اس بحث کی رُو سے کلمہ ''توحید'' بھی ایک اور یکتا سمجھنے کے معنی میں ہے (۱)

اقسام توحید

فلسفہ اور علم کلام کی کتابوں میں توحید کی اقسام سے بحث کی گئی ہے۔ ان کو ان عنوانات کے تحت بیان کیا جاتا ہے: ذاتی توحید، صفاتی توحید اور افعالی توحید۔

ذاتی توحید

فلسفیوں اور متکلمین کی نظر سے ذاتی توحید کا مطلب یہ ہے کہ ذات باری تعالیٰ یگانہ (یکتا) اور بسیط محض ہے۔ اس میں کسی قسم کی ترکیب نہیں ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہے کہ پروردگار کی ذات میں کوئی جُز نہیں ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اس اعتبار سے باری تعالیٰ واحد اور یکتا ہے (۲)

صفاتی توحید

صفات میں توحید کا معنیٰ ہے کہ حق تعالیٰ کی صفات عین اس کی ذات ہیں،

(۱)۔ بحثی مبسوط در آموزش عقاید، جلد اول، ص۔۸۲

(۲)۔ ایضاً ص۔۸۳

Marfat.com

اس کی ذات سے الگ نہیں ہیں۔۔۔ذات الٰہی سے صفات کا الگ ہونا محال ہے، کیوں کہ ذات اور صفات میں وحدت ہے، دو مختلف چیزیں نہیں ہیں۔

افعالی توحید

اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کاموں میں کسی کی مدد کی احتیاج نہیں رکھتا اور جو فعل اس سے سرزد ہوتا ہے، اس کا فاعل ذاتِ واحد ہے اور کوئی اس کی مدد نہیں کر سکتا کیوں کہ وہ غنی بالذات (اپنی ذات میں غنی) ہے اور وہ کسی مخلوق کی مدد کی ضرورت نہیں رکھتا۔ پس دوسرے لفظوں میں کہا جا سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ افعال کی بجا آوری میں اپنی ذات میں کوئی شریک نہیں رکھتا (۳)

قرآن میں توحید

مؤلفین نے اس باب میں تین شعبوں کے متعلق گفتگو کی ہے:۔

۱۔ استدلالی توحید (جو خود گوناگوں اقسام رکھتی ہے)

۲۔ فطری توحید

۳۔ اسلام میں توحید کی نصاب کی حد

ان تین ابواب کے آخر میں شرک اور اس کی پیدائش کے عوامل پر بحث کی گئی ہے۔ ذیل میں استدلالی توحید کے منتخب حصوں کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے:۔

---

(۳)۔ ایضاً، ص۔۸۳۔۸۴: اس کے بعد صفحہ ۸۴ اور ۸۵ پر صوفیہ اور اہل سلوک کے نظریہ توحید کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

Marfat.com

استدلالی توحید قرآنی آیات کے تناظر میں

۔۔۔ہم اس باب میں توحید کی اقسام کی تعریف بیان کر کے اس کے بعد ہر ایک کو ثابت کریں گے۔

ذاتی توحید

ہم نے پہلے بیان کیا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس عالم ہستی میں صرف ایک واجب الوجود موجود ہے اور حق تعالیٰ یکتا، واحد، بے مثل اور قادر مطلق ہے، قرآن کریم نے بھی مختلف آیات میں مسئلہ توحید کی تصریح کی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

لیس کمثلہٖ شئی ج و ھو السمیع البصیر O

(الشوریٰ ۴۲:۱۱)

''کوئی چیز اس کی مثل نہیں اور وہ ہر چیز کو سنتا دیکھتا ہے''۔

اور سورہ اخلاص کے آغاز میں بھی ہم اس طرح پڑھتے ہیں:۔

قل ھو اللہ احد (الاخلاص ۱۱۲:۱)

''(اے رسول ﷺ) تم کہہ دو کہ خدا ایک ہے''۔

خالقیت (خلق کرنے) میں توحید

اس سے مراد یہ ہے کہ اس کائنات کی تمام مخلوقات کا خالق صرف حق تعالیٰ ہے اور اس کے علاوہ کوئی خلق اور پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے۔ قرآن مجید نے متعدد آیات میں اس توحید پر واضح اشارہ کیا ہے۔ سورہ رعد کی آیت ۱۶ میں فرماتا ہے:

Marfat.com

''قل اللہ خالق کل شئ وھو الواحد القھار O''

''تم کہہ دو کہ خدا ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی یکتا اور سب پر غالب ہے''۔

سورہ اعراف کی آیت ۵۴ میں واضح طور پر اس مسئلہ کی جانب اشارہ ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

الا لہ الخلق والامر ط

''دیکھو حکومت اور پیدا کرنا خاص اسی کے لیے ہے''۔

سورہ فاطر کی آیت ۳ میں ارشاد ہے:۔

ھل من خالق غیر اللہ یرزقکم من السماء والارض ط

''کیا خدا کے سوا کوئی اور خالق ہے جو آسمان اور زمین سے تمہاری روزی پہنچاتا ہے''۔

مذکورہ بالا اور اس موضوع پر دیگر وارد آیات خالقیت کے مسئلے کو قرآن مجید کی نظر سے بخوبی روشن کرتی ہیں اور ہر لحاظ سے ظاہر کرتی ہیں کہ مسئلہ آفرینش اور خلقت میں کوئی بھی حق تعالیٰ کا شریک اور اس کی مثل نہیں ہے (۴)

توحید ربوبیت

مؤلفین نے پہلے کلمہ ''رب'' کے معانی لکھے ہیں:۔

استعمال کے لحاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ کلمہ ''رب'' کا اطلاق اس پر ہوتا ہے جو کسی شخص یا چیز کا مالک اور صاحب اختیار ہو۔ اور ایک طرح سے ہوسکتا ہے کہ وہ کسی

(۴)۔ ایضاً ص ۹۸۔۹۹

Marfat.com

کی اجازت کے بغیر مستقل طور پر اپنے مملوک و مربوب میں تصرف کرے۔ مثلاً کلام عرب میں خاتون خانہ کو ''ربة الدار'' کہا جاتا ہے کیوں کہ گھر کے امور کا نظم و نسق اس کی ذمہ داری ہوتی ہے اور کبھی اونٹ کے مالک کو ''رب الابل'' کہا جاتا ہے یعنی ایسا شخص جو اونٹ کا مالک ہو اور اس کے امور کی تدبیر اس کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

اس بناء پر ہم کلمہ ''رب'' کو ''مالک و مدبر'' کے معنی میں لے سکتے ہیں، لہٰذا جب قرآن مجید میں خدا تعالیٰ کے لیے ''رب العالمین'' کا اطلاق ہوتا ہے تو اس کا معنیٰ یہ ہوتا ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کائنات کی تمام موجودات کا حقیقی مالک ہے اور صرف وہی ذات ہے جو موجودات عالم کے امور کی تدبیر کرتی ہے اور وہ کسی دوسری مخلوق کے اذن اور اجازت کے بغیر کائنات میں تصرف کر سکتی ہے (۵)

ربوبیت تکوینی

اس کا مطلب وہی ہے جس کا اشارہ اوپر کیا گیا ہے یعنی صرف اللہ تعالیٰ کائنات کی تمام مخلوقات کا حقیقی مالک ہے اور عالم کے امور میں تدبیر اور تنظیم کرتا ہے۔ قرآن مجید کی مختلف آیات میں اس ربوبیت کی نوع کے متعلق اشارہ کیا گیا ہے۔ سورہ اعراف کی آیت ۵۴ پہلے جس کا حوالہ دیا گیا ہے، میں فرماتا ہے۔

''الا له الخلق والامر''

''دیکھو حکومت اور پیدا کرنا خاص اسی کے لیے ہے''۔

نیز وہ تمام آیات جن میں حق تعالیٰ کی انواع و اقسام کی نعمتوں کا ذکر کیا گیا

(۵)۔ ایضاً ص۔ ۱۰۰

Marfat.com

ہے، ان سب میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے مظاہر کا تذکرہ موجود ہے۔ انسانوں کی توجہ اور یاددہانی کے لیے ان کا ذکر کرتے ہیں:

ان الله فالق الحب والنوی ط یخرج الحی من المیت و مخرج المیت من الحی ط ذٰلکم الله فانی تؤفکون O فالق الاصباح ج و جعل الیل سکنا والشمس والقمر حسبانا ط ذٰلك تقدیر العزیز العلیم O وهو الذی جعل لکم النجوم لتهتدوا بها فی ظلمت البر والبحر ط قد فصلنا الأیت لقوم یعلمون O وهو الذی انشأ کم من نفس واحدة فمستقر و مستودع ط قد فصلنا الأیت لقوم یفقهون O وهو الذی انزل من السمآء مآء ج فاخرجنا به نبات کل شیءٍ فاخرجنا منه خضرا نخرج منه حبا متراکبا ج ومن النخل من طلعها قنوان دانیة و جنت من اعناب والزیتون والرمان مشتبها و غیر متشابه ط انظروا الی ثمره اذا اثمر و ینعه ط ان فی ذٰلکم لأیت لقوم یؤمنون O و جعلوا لله شرکآء الجن وخلقهم و خرقوا له بنین و بنٰت بغیر علم ط سبحانه وتعالیٰ عما یصفون O بدیع السمٰوت والارض ط انی یکون له ولد و لم تکن له صاحبة ط و خلق کل شیءٍ ج وهو بکل شیءٍ

Marfat.com

علیم ○ ذٰلکم اللہ ربکم ج لاالہ الا ھو ج خالق کل شیء فاعبدوہ ج وھو علی کل شئی وکیل ○ لاتدرکہ الابصار زوھو یدرك الابصار ج وھواللطیف الخبیر ○ قد جاء کم بصائر من ربکم ج فمن ابصر فلنفسہ ج ومن عمی فعلیھا ط وما انا علیکم بحفیظ ○ (الانعام ۶:۹۵۔۱۰۴)(۶)

ترجمہ:۔ خدا ہی تو گٹھلی اور دانہ کو شگافتہ (کرکے درخت روئیدہ) کرتا ہے۔ اور وہی زندہ کو مردے سے نکالتا ہے اور وہی زندہ سے مردے کو نکالنے والا ہے۔ (لوگو) وہی تمہارا خدا ہے۔ پھر تم کدھر بہکے جارہے ہو۔

اسی نے صبح کی پو پھاڑی اور اس نے آرام کے لیے رات اور حساب کے لیے سورج اور چاند بنائے۔ یہ خدائے غالب ودانا کے مقرر کردہ (اصول) ہیں۔

اور وہی خدا ہے جس نے تمہارے (نفع کے) واسطے ستارے پیدا کیے تاکہ تم جنگلوں اور دریاؤں کی تاریکیوں میں ان سے راہ معلوم کرو۔ جو لوگ واقف کار ہیں ان کے لیے ہم نے (اپنی قدرت کی) نشانیاں خوب تفصیل سے بیان کردی ہیں۔

اور وہ وہی خدا ہے جس نے تم لوگوں کو ایک شخص سے پیدا کیا۔ پھر (ہر شخص کے) قرار کی جگہ (باپ کی پشت) اور سونپنے کی جگہ (ماں کا پیٹ) مقرر ہے۔ ہم نے سمجھداروں کے واسطے (اپنی قدرت کی) نشانیاں خوب تفصیل سے بیان کردی ہیں۔

اور وہ ہی (قادر وتوانا) ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا۔ پھر ہم نے

(۶) ایضاً ص۔۱۰۰۔۱۰۱

Marfat.com

اس کے ذریعہ سے ہر چیز کے کوئے نکالے۔ پھر ہم ہی نے اس سے ہری بھری ٹہنیاں نکالیں کہ اس سے ہم باہم گھتے ہوئے دانے نکالتے ہیں اور چھوہارے کے بور (شجر) سے لٹکے ہوئے گچھے (پیدا کیے) اور انگور اور زیتون اور انار کے باغات جو باہم صورت میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے اور (مزے) میں جدا جدا۔ جب یہ پھلے اور پکے تو اس کے پھل کی طرف غور تو کرو۔ بے شک اس میں ایمان دار لوگوں کے لیے بہت سی (خدا کی) نشانیاں ہیں۔ اور ان (کم بختوں) نے جنات کو خدا کا شریک بنایا حالانکہ جنات کو بھی خدا ہی نے پیدا کیا۔ اس پر بھی ان لوگوں نے بے سمجھے بوجھے خدا کے لیے بیٹے بیٹیاں گھڑ ڈالیں۔ جو جو باتیں یہ لوگ (اس کی شان میں) بیان کرتے ہیں، اس سے وہ پاک و پاکیزہ اور برتر ہے۔

سارے آسمانوں اور زمین کا موجد ہے۔ اس کے کوئی لڑکا کیوں کر ہو سکتا ہے جب اس کی کوئی بیوی ہی نہیں ہے اور اسی نے ہر چیز کو پیدا کیا اور وہی ہر چیز سے خوب واقف ہے۔

(لوگو) وہی اللہ تمہارا پروردگار ہے۔ اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں، وہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے تو اسی کی عبادت کرو اور وہی ہر چیز کا نگہبان ہے۔

اس کو آنکھیں دیکھ نہیں سکتیں (نہ دنیا میں نہ آخرت میں) اور وہ (لوگوں) کی نظروں کو خوب دیکھتا ہے اور وہ بڑا باریک بین و خبردار ہے۔

تمہارے پاس تو سمجھانے والی چیزیں آ ہی چکی ہیں پھر جو دیکھے (سمجھے تو) اپنے دم (ذات) کے لیے، اور جو اندھا بنے تو (اس کا ضرر بھی) خود اس پر ہے اور

Marfat.com

(اے رسول ﷺ ان سے کہہ دو) کہ میں تم لوگوں کا کچھ نگہبان تو نہیں ہوں (۷)
کتاب کے مؤلفین نے آیات ۹۵ سے ۱۰۴ تک کا حوالہ دیا ہے، لیکن آیات لکھتے وقت اختصار سے کام لیا ہے۔ راقم السطور نے پوری آیات کو نقل کر کے ان کا اردو ترجمہ دے دیا ہے۔

---

(۷) قرآن مجید میں تکوینی ربوبیت کے حوالے سے سورہ النمل کی آیات ۶۰ سے ۶۴ تک تفصیل بیان کی گئی ہے۔ چونکہ یہ زیر بحث موضوع سے متعلق ہے اس لیے اس کا ترجمہ ذیل میں دیا جاتا ہے:۔

بھلا وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ اور تمہارے واسطے آسمان سے پانی برسایا۔ پھر ہم ہی نے پانی سے دلچسپ و خوشنما باغ اگائے۔ تمہارے تو یہ بس کی بات نہ تھی کہ تم ان درختوں کو اگا سکتے۔ تو کیا خدا کے ساتھ کوئی اور بھی معبود ہے (ہرگز نہیں) بلکہ یہ لوگ خود (اپنے جی سے گھڑ کے بتوں کو) اس کے برابر بناتے ہیں۔

بھلا وہ کون ہے جس نے زمین کو (لوگوں کے) ٹھہرنے کی جگہ بنایا اور اس کے درمیان جا بجا نہریں دوڑائیں اور اس (کی مضبوطی) کے واسطے پہاڑ بنائے اور (میٹھے کھاری) دو دریاؤں کے درمیان حد فاصل بنایا۔ تو کیا خدا کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے (ہرگز نہیں) بلکہ ان میں سے اکثر کچھ جانتے ہی نہیں۔ بھلا وہ کون ہے کہ جب مضطر اسے پکارے تو دعا قبول کرتا ہے اور مصیبت کو دور کرتا ہے اور تم لوگوں کو زمین میں (اپنا) نائب بنایا ہے۔ تو کیا خدا کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے (ہرگز نہیں) اس پر بھی تم لوگ بہت کم عبرت و نصیحت حاصل کرتے ہو۔

بھلا وہ کون ہے جو تم لوگوں کو خشکی اور تری کی تاریکیوں میں راہ دکھاتا ہے اور کون اپنی رحمت (بارش) کے آگے آگے ہواؤں کو خوشخبری دینے کے لیے (پیش خیمہ بنا کے) بھیجتا ہے۔ کیا خدا کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے (ہرگز نہیں) یہ لوگ جن چیزوں کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں خدا اس سے بالاتر ہے۔ (جاری ہے)

Marfat.com

مذکورہ بالا و دیگر آیات جن سے یہی مفاد حاصل ہوتا ہے، سب تکوینی ربوبیت کی گواہی دیتی ہیں، ربوبیت تشریعی میں توحید کے بھی یہی معنی ہیں کہ قانون سازی کا حق صرف اور صرف خدا تعالیٰ کو حاصل ہے اور کوئی بھی اس کے اذن اور اجازت کے بغیر مستقل طور پر قانون (تشریعی) نہیں بنا سکتا۔

قرآن مجید میں چند مقامات پر ارشاد ہے "ان الحکم الا للہ" (انعام ۶: ۵۷) حکم اور قانون صرف حق تعالیٰ کی طرف سے ہے (حکومت تو بس خدا ہی کے لیے ہے)۔۔۔سورہ انعام کی آیت ۶۲ میں فرماتا ہے "الا لہ الحکم۔۔۔"

(حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ)

بھلا وہ کون ہے جو خلقت کو نئے سرے سے پیدا کرتا ہے۔ پھر اسے دوبارہ (مرنے کے بعد) پیدا کرے گا۔ اور کون ہے جو تم لوگوں کو آسمان و زمین سے رزق دیتا ہے۔ تو کیا خدا کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے (ہرگز نہیں) (اے رسول ﷺ) تم ان (مشرکین سے) کہہ دو کہ اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل پیش کرو۔

(القرآن الحکیم، ترجمہ و تفسیر از حافظ سید فرمان علی اعلی اللہ مقامہ ص۔ ۴۵۷)

اس تکوینی ربوبیت کے متعلق علامہ محمد اقبال نے بال جبریل میں خوبصورت اشعار لکھے ہیں، نظم کا عنوان ہے: "الارض للہ" اس کے پہلے تین اشعار ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں۔

پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون؟
کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب؟
کون لایا کھینچ کر پچھم سے بادِ ساز گار؟
خاک یہ کس کی ہے؟ کس کا ہے یہ نور آفتاب؟
کس نے بھر دی موتیوں سے خوشۂ گندم کی جیب؟
موسموں کو کس نے سکھلائی ہے خوئے انقلاب؟

(بال جبریل مشمولہ کلیات اقبال اردو، ص۔ ۱۱۹)

Marfat.com

''(یعنی) آگاہ رہو کہ حکومت خاص اسی کے لیے ہے''۔ مؤلفین نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے: بے شک حکومت اور قانون صرف اس حق تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

اس بنا پر قرآن کی رو سے تکوینی ربوبیت بھی صرف اس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور تشریعی ربوبیت بھی ذات پروردگار میں منحصر ہے۔۔۔(۸)

الوہیت میں توحید

اس سے مراد یہ ہے کہ صرف خداوند عالم عبودیت اور پرستش کے لائق ہے اور کوئی دوسری مخلوق اس قابل نہیں ہے۔ قرآن کریم میں متعدد آیات میں توحید کی اس قسم کے بارے میں اشارہ کیا گیا ہے۔ ان کثیر آیات میں جہاں یہ جملہ ''لا الہ الا اللہ'' ذکر کیا گیا ہے، اس میں صراحت کے ساتھ فرماتا ہے کہ ''اللہ کے سوا کوئی موجود عبادت کے لائق نہیں ہے''۔

الوہیت میں توحید کے موضوع پر دوسری آیات مختلف انداز بیان میں قرآن حکیم میں وارد ہوئی ہیں۔ ہم سورہ نمل کی آیات ۶۱ تا ۶۴ میں اس طرح پڑھتے ہیں۔

ء الٰہ مع اللہ ط بل اکثر ھم لا یعلمون

''(یعنی) تو کیا خدا کے ساتھ کوئی اور بھی معبود ہے (ہرگز نہیں) بلکہ ان میں سے اکثر کچھ جانتے ہی نہیں ہیں''

ء الٰہ مع اللہ ط قلیلا ما تذکرون

---

(۸)۔ بحثی مبسوط در آموزش عقاید، جلد اول، ص۔۱۰۱۔۱۰۲

Marfat.com

''تو کیا خدا کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے (ہرگز نہیں)۔ اس پر بھی تم لوگ بہت کم عبرت و نصیحت حاصل کرتے ہو''۔

ء الٰہ مع اللہ ط تعلی اللہ عما یشرکون

''کیا خدا کے ساتھ اور معبود بھی ہے۔ (ہرگز نہیں) یہ لوگ جن چیزوں کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں خدا اس سے بالاتر ہے''۔

ء الٰہ مع اللہ ط قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صٰدقین

''تو کیا خدا کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے (ہرگز نہیں) اے رسول ﷺ تم ان (مشرکین سے) کہہ دو کہ اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل پیش کرو''۔

چنانچہ ملاحظہ ہوتا ہے کہ ان چار مذکورہ آیات میں استفہام آیا ہے، یہ استفہام انکاری کی صورت میں ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے معبود کی نفی کی گواہی دیتا ہے۔ سورہ بقرہ کی آیت ۱۶۳ میں آیا ہے:۔

و الٰھکم الٰہ واحد

''اور تمہارا معبود تو وہی یکتا خدا ہے''۔

سورہ طٰہٰ کی آیت ۹۸ میں اس طرح آیا ہے

انما الٰھکم اللہ الذی لا الٰہ الا ھو

''تمہارا معبود تو بس وہی خدا ہے جس کے سوا کوئی اور معبود برحق نہیں''۔

اللہ تعالیٰ سورہ صافات کی آیت ۴ میں فرماتا ہے:۔

ان الٰھکم لواحد ط

Marfat.com

''تمہارا معبود حقیقی ایک ہی ہے''۔

اس آخری آیت میں کلمہ ''اِنَّ'' اور حرف ''لام'' الوہیت میں توحید کی واضح تاکید رکھتے ہیں (۹)

۔۔۔اس بحث کے آخر میں مؤلفین نتیجہ نکالتے ہیں کہ ''توحید ربوبیت'' توحید الوہیت'' اور ''توحید خالقیت'' کے درمیان رابطہ واضح طور پر برقرار ہے، کیوں کہ ''رب''، ''الہٰ'' اور ''خالق'' صرف ایک ہے اور وہ حق تعالیٰ کی ذات اقدس ہے۔ شاید سورہ انعام کی آیت ۱۰۲ سے اس رابطے کا نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے:۔

''ذلکم اللہ ربکم ج لا الہ الا ھو ج خالق کل شئ فاعبدوہ ج وھو علی کل شئ وکیل o''۔

''(لوگو) وہی اللہ تمہارا پروردگار ہے، اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ وہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے، تو اسی کی عبادت کرو اور وہی ہر چیز کا نگہبان ہے''۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اس مذکورہ آیت میں ربوبیت، الوہیت اور خالقیت تینوں صفات اکٹھی ہوگئی ہیں اور ان کے باہمی رابطے کا ذکر کیا گیا ہے۔ بحث کے آخر میں چار قسم کی توحید کے ربط کا ذکر کیا ہے (یعنی عبادتی توحید کو بھی ان میں شامل کرلیا ہے)۔(۱۰)

---

(۹)۔ ایضاً، ص ۱۰۱۔۱۰۲

(۱۰) ایضاً، ص ۱۰۵۔۱۰۶

Marfat.com

توحید عبادت (عبادتی توحید)

عبادت میں توحید کا یہ مطلب ہے کہ عبادت کے لیے صرف اور صرف خداوند عالم کو اس لائق سمجھے اور اس کے علاوہ کسی اور کی بندگی کو یہ مرتبہ نہ دے۔

ہم اس مقام پر پہلے عبادت کی حقیقت سے بحث کرتے ہیں۔اس کے بعد توحید الوہیت اور توحید عبادت میں فرق بیان کریں گے۔

حقیقت عبادت

عبادت کا معنی اخدا کے سامنے بندگی اور خضوع ہے۔اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ ہر قسم کی بندگی حقیقی عبادت شمار کی جاتی ہے بلکہ عبادت کی آراستگی یا مغز، نیت اور قصد ہے۔البتہ یہ مسئلہ عبادت کے افعال پر منحصر نہیں ہے بلکہ ایک عنوان سے اس کا اخلاقی پہلو بھی ہے۔ان کاموں میں قصد و نیت بنیادی نقش کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کیوں کہ انسان کا ایک اختیاری عمل ایک صفت کے ساتھ متصف اور اخلاقی عنوان مثلاً (اچھا اور بُرا) اور یا (خیر و شر) رکھتا ہے۔چاہیے کہ اس عمل کی نیت اور قصد کو ملاحظہ کیا جائے۔

عبادت کے عمل میں ایک فعل ایسا وجود رکھتا ہے جو عبادت کا ''بدن'' شمار کیا جاتا ہے اور ایک قصد ایسا وجود رکھتا ہے جس کو ''روح عبادت'' شمار کیا جاتا ہے اور در حقیقت عبادت بدن و روح کے جمع ہونے کا نام ہے۔بالفاظ دیگر اس کا اطلاق فعل اور قصد کے جمع ہونے پر ہوتا ہے۔

Marfat.com

عبادت میں نیت کی تحریک

پس جب ہم نے جان لیا کہ عبادت کی آراستگی اور درستی نیت سے ہے اور نیت عبادت کے بدن میں ''روح'' کی حیثیت رکھتی ہے۔ پھر یہ مسئلہ پیدا ہوتا ہے کہ ''نیت'' میں حقیقی تحریک کیا ہے؟ یعنی وہ کون سا عامل ہے جو اس کا باعث بنتا ہے کہ انسان سے اس طرح کی نیت صادر ہوتی ہے، کیوں کہ عمل کی دنیا میں کوئی نیت تحریک کے بغیر ظاہر نہیں ہوتی۔

ہم دقت نظر سے اس مسئلہ کو دیکھتے ہیں۔ درحقیقت عبادت میں اصل تحریک ایک ''فکر'' اور ''اعتقاد'' ہے۔ یعنی اللہ کی الوہیت پر اعتقاد رکھنا اور حق تعالیٰ کو عبادت کے لائق سمجھنا۔ اس سے عبادت کی نیت میں تحریک پیدا ہوتی ہے یعنی اگر کوئی شخص اس کا اعتقاد رکھتا ہو کہ ایک خاص موجود عبادت کے لائق ہے تو یہی اعتقاد اور ایمان عبادت کے عمل کو تحریک دیتا ہے اور اس کو عبادت کی طرف مائل کرتا ہے (۱۱)

توحید الوہیت و توحید عبادت میں فرق

جو کچھ ہم نے بیان کیا اس سے اچھی طرح واضح ہوتا ہے کہ عبادتی توحید اور توحید الوہیت میں فرق ہے، کیوں کہ توحید الوہیت کا تعلق انسان کی فکر اور اعتقاد کے ساتھ ہے، لیکن عبادتی توحید کا تعلق انسان کے عمل اور فعل سے ہے۔

دوسرے الفاظ میں توحید الوہیت کا یہ معنیٰ ہے کہ ہم عقیدہ و نظریہ کے مقام پر عقیدہ رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے سوا، کوئی موجود بھی الوہیت اور معبودیت

(۱۱)۔ ایضاً ص ۱۰۶۔ ۱۰۷

Marfat.com

کے مقام کے لائق نہیں ہے اور صرف وہی ہے جو حقیقی معبود ہے۔ لیکن عبادتی توحید کا تعلق ہمارے عمل اور رفتار سے ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عبادت اور پرستش کے لائق اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں ہے اور اس کے علاوہ کسی کے سامنے عبادت کے لیے سر تسلیم خم نہ کریں۔۔۔ اسی وجہ سے اسلامی نقطۂ نظر سے، الوہیت میں شرک کفر کا موجب اور انسان کے دائرہ اسلام سے خارج ہونے کا باعث بنتی ہے، کیونکہ ایسی شرک مسلمان کے اعتقادکی اساس کو نیچے گرادیتی ہے اور اس کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتی ہے۔ لیکن عبادت میں شرک اگرچہ کبیرہ گناہوں میں شمار ہوتی ہے لیکن ایسا نہیں ہے کہ اسلام سے خارج ہونے کا سبب بنے۔۔۔ (۱۲)

اطاعت میں توحید

اس کا مطلب یہ ہے کہ اطاعت اور فرمانبرداری کے مقام پر صرف اور صرف خدا تعالیٰ کو مورد نظر قرار دیں اور صرف اسی کو مستقل مطاع سمجھیں اور اللہ کے سوا کسی کی اطاعت کو اس کی اطاعت کے ساتھ قرار نہ دیں۔

البتہ ممکن ہے جیسا کہ ہم نے پہلے اشارہ کیا ہے، بعض برگزیدہ افراد کی اطاعت ''طول اطاعت'' میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت قرار پاتی ہے اور یہ امر اطاعت میں توحید کے ہرگز خلاف نہیں ہوگی، بلکہ ان کی اطاعت عین خدا کی اطاعت سمجھی جائے گی، کیونکہ یہ خود اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ہم ان افراد کی اطاعت اور پیروی کریں۔ مثال کے طور پر قرآن حکیم میں سورہ نساء کی آیت ۵۹ میں ارشاد ہے:

(۱۲)۔ ایضاً۔ ص ۱۰۸۔۱۰۹

Marfat.com

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ج

''اے ایماندارو خدا کی اطاعت کرو اور رسول ﷺ کی اور جو تم میں سے (رسول ﷺ ہی کی طرح) صاحبانِ حکم ہوں''۔

مذکورہ آیت میں اگرچہ پیغمبر اور صاحبان امر کی اطاعت کا اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے مگر اس مقام پر امر مذکور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، لہٰذا اطاعت رسول ﷺ اور اولی الامر جو کہ اطاعت خدا میں مترتب ہوتی ہے، یہ ہرگز ''اطاعت میں توحید'' سے تضاد نہیں رکھتی اور نہ اس کے خلاف ہے (۱۴۳)

توحید استعانت

توحید استعانت (مدد چاہنے میں توحید) کا مفہوم یہ ہے کہ انسان صرف اللہ تعالیٰ کو مستقل طور پر مدد کرنے والا سمجھے اور سختیوں میں صرف اسی کی درگاہ میں دستِ نیاز پھیلائے۔ نہ صرف امتحان اور مشکل میں بلکہ ہر حال میں اسی سے مدد طلب کرے، کیونکہ ذات مقدس پروردگار کے سوا سب ہی محتاج نیاز مند اور نادار ہیں اور کوئی نادار (فقیر) کسی دوسرے کی ناداری کو دور نہیں کرسکتا۔ پس صرف وہ ذات جو غنی بے نیاز اور صاحب قدرت ہے اور ہر حال میں انسان کی مدد کرسکتی ہے، واجب الوجود کی ذات ہے۔

یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء اور آئمہ طاہرین سے مدد طلب کرنا جس کی اسلامی روایات میں بہت تاکید کی گئی ہے کیا یہ توحید استعانت کی

(۱۴۳) ایضاً، ص ۱۰۹۔۱۱۰

Marfat.com

نقیض اور ضد نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایک فطری امر ہے جب کوئی فرد کسی دوسرے فرد سے مدد طلب کرتا ہے تو وہ کوشش کرتا ہے کہ ایسے اشخاص کو جو اس کے نزدیک مقرب اور منزلت و مقام رکھتے ہیں، ان کا واسطہ قرار دیتا ہے اس امید پر کہ اس طرح وہ اپنے مقصد کو جلد اور بہتر طور پر حاصل کر سکتا ہے اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان کو واسطہ قرار دیئے بغیر وہ اپنا مقصود حاصل نہیں کر پاتا۔ ایسی صورت میں برگزیدہ انسانوں کا توسل (وسیلہ قرار دینا) خاص ضرورت پیدا کر دیتا ہے۔ مگر یہاں پر ایک بنیادی اور اہم نکتہ یہ ہے کہ توسل (وسیلہ) ڈھونڈنا اور اولیاء اللہ کے نزدیک برگزیدہ انسانوں کی مدد چاہنا، اس کا ہرگز یہ معنیٰ نہیں ہے کہ وہ مستقل طور پر انسان کی حاجت کو پورا کر سکتے ہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں واسطہ بن جائیں اور اس سے چاہیں کہ وہ طالبِ مدد کی امداد کرے اور اس کی حاجت روائی کرے۔ پس اولیائے الٰہی سے اس طرح کی استعانت اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنے کے تصور کے کسی طرح خلاف نہیں ہے اور نہ ہی اس کی ضد ہے (۱۴)

دعا میں توحید

انسان محتاج ہے اور اس کی کئی حاجتیں ہوتی ہیں اس لیے وہ دعا کا ہاتھ اس کے سامنے دراز کرتا ہے جو اس حاجت کو پورا کرنے پر قادر ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کتاب کے مؤلفین لکھتے ہیں:۔

۔۔۔انسان فطری طور پر چاہتا ہے کہ اس کی حاجت پوری ہو جائے۔۔۔

(۱۴)۔ ایضاً ص ۱۱۰۔۱۱۱

Marfat.com

دعا میں توحید کا یہ مطلب ہے کہ انسان صرف اللہ تعالیٰ کو منشاء اثر سمجھتے ہوئے صرف اسی سے اپنی حاجتیں پوری کروانا چاہتا ہے۔ قرآن کریم میں اس بارے میں ارشاد ہے:۔

"فلاتدعوامع اللہ احدا" (سورہ جن:۱۸)

"کسی کو خدا تعالیٰ کے ساتھ قرار نہ دو اور اس سے کوئی چیز نہ چاہو" (☆)

سورہ اعراف کی آیت ۱۹۴ میں اس طرح ارشاد ہے، یہ ایسے مقام کے لیے ہے جہاں انسان غیر خدا کو پکارتے ہیں۔

" ان الذین تدعون من دون اللہ عباد امثالکم "

"(یعنی) بے شک وہ لوگ جن کی تم خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو وہ (بھی) تمہاری طرح (خدا کے) بندے ہیں۔"

آخر میں سورہ فاطر کی آیت ۱۴ میں فرماتا ہے یہ ایسے لوگ ہیں کہ

"ان تدعوھم لایسمعوا دعاء کم ج ولو سمعوا ما استجابوالکم ط "

"(یعنی) اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری پکار کو سنتے نہیں اور اگر (بفرض محال) سنیں بھی تو تمہاری دعائیں نہیں قبول کر سکتے"۔

(☆) حافظ سید فرمان علی اعلی اللہ مقامہ نے سیاق و سباق کو سامنے رکھتے ہوئے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے "تم لوگ خدا کے ساتھ کسی کی عبادت نہ کرو۔ اس آیت کا پہلا حصہ یہ ہے "وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰہِ" (یعنی) "اور یہ کہ مسجدیں خاص خدا کی ہیں"۔

Marfat.com

تذکر (نصیحت)

۔۔۔کے ذیل میں لکھا ہے کہ اس مسئلہ (دعا) میں اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اور منتخب بندوں اور اولیائے دین کو واسطہ قرار دینا اوران کا توسل ڈھونڈنا ہرگز نقیض اور ضد نہیں ہوگا (یا اس مسئلہ کے مخالف نہیں ہوگا)۔(۱۵)

(۱۵) بحثی مبسوط در آموزش عقاید، جلد اول، ص ۱۱۱۔۱۱۲

اس مقام پر دعا میں ذریعہ و توسل کے مسئلے کو بیان کیا گیا ہے، مفتی جعفر حسین اعلی اللہ مقامہ مقدمہ صحیفہ کاملہ میں اس بارے لکھتے ہیں:۔

تمام امیدوں کا مرکز اور تمام آرزوؤں کا منتہیٰ اللہ سبحانہٗ کی ذات ہے اور اسی سے تمام حاجتیں اور ضرورتیں وابستہ کی جاتی ہیں اور اس کے علاوہ کسی کو مستقل طور پر حاجت روا سمجھ کر پکارنا صحیح نہیں ہے اور نہ آئین اسلام میں اس کی اجازت ہے کہ دعا میں کسی دوسری ہستی کو پکار کر اسے اللہ کی صفات میں شریک ٹھہرایا جائے۔ مگر ہر چیز میں اللہ کی مشیت کے عمل دخل کا عقیدہ رکھتے ہوئے کسی کو پکارنا اور مدد چاہنا شرک نہیں ہے اور نہ ان ہستیوں کو کہ جنہیں مشیت کا ہاتھ سفارش کے لیے چن چکا ہے، وسیلہ قرار دینا شرک سے کوئی تعلق رکھتا ہے۔ شرک تو اس صورت میں ہوتا جب ان ہی کو حاجت روائی کے لیے کافی سمجھ لیا جاتا اور مشیت باری کی ضرورت نہ سمجھی جاتی۔۔۔ اسی وجہ سے ان کی قبروں کی زیارت کی جاتی ہے اور ان کے عتبات و مشاہد میں استجابت دعا کے اثرات ظہور میں آتے ہیں۔۔۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے سماعہ سے فرمایا کہ حاجت طلب کرنے سے پہلے یہ کلمات توسل پڑھو تا کہ اللہ تمہاری دعا جلد قبول کرے:۔ (ترجمہ) "اے اللہ میں تجھے محمد ﷺ اور علی صلوات اللہ علیہ کا واسطہ دیتا ہوں۔ کیوں کہ ان کی تیرے نزدیک بڑی قدر و منزلت ہے۔ لہٰذا اسی قدر و منزلت کے پیش نظر تو محمد ﷺ اور ان کی آل پر رحمت نازل فرما" (مقدمہ صحیفہ کاملہ، ص ۴۱۔۴۲)

Marfat.com

توکل میں توحید

اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان صرف اللہ تعالیٰ پر تکیہ اور بھروسہ رکھے اور ہر امر میں اُس کی مدد کی امید رکھے۔خلاصہ یہ ہے کہ صرف خدا پر اعتماد رکھے اور دوسرے کو اپنا معتمد نہ جانے۔قرآن کریم نے متعدد آیات میں ''خدا پر بھروسہ'' کرنے پر اشارہ کیا ہے:۔

''وعلی اللہ فتوکلوا ان کنتم مئومنین''

(المائدہ۵:۲۳)

''اگر تم سچے ایماندار ہو تو خدا ہی پر بھروسہ رکھو''۔

''قل حسبی اللہ علیہ یتوکل المتوکلون''

(زمر۳۹:۳۸)

''(اے رسول ﷺ) تم کہو کہ خدا میرے لیے کافی ہے۔اسی پر بھروسہ کرنے والے بھروسہ کرتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ سورہ آل عمران کی آیت ۱۵۹ میں پیغمبر اسلام سے خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے:۔

''فاذاعزمت فتوکل علی اللہ ط ان اللہ یحب المتوکلین''

''اس پر بھی جب کسی کام کا ٹھان لو تو خدا ہی پر بھروسہ رکھو (کیوں کہ) جو لوگ خدا پر بھروسہ رکھتے ہیں خدا ان کو ضرور دوست رکھتا ہے۔''

Marfat.com

بعض نے اس طرح سمجھا ہے کہ توکل سے کاہلی کا پہلو نکلتا ہے۔ انسان کو (توکل) تلاش وجستجو سے باز رکھتا ہے، کیوں کہ توکل کا مطلب ہے کہ سب امور کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دی جائے اور اپنے آپ پر کام کرنے کی ہر قسم کی ذمہ داری کو قبول نہ کرنا ہے، لیکن ہم اکثر وقت نظر سے دیکھتے ہیں کہ کاموں میں خدا پر بھروسہ کرنے کا ذکر جہاں بھی آیا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ لفظ متوکل ''باب تفعل'' سے آیا ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ توکل ''توکیل'' تفعیل کے وزن پر سے اختلاف رکھتا ہے۔ توکیل کے معنی یہ ہیں کہ انسان ہر قسم کی جہد وجہد اور کوشش کو دوسرے کے سپرد کردے اور ہر قسم کی ذمہ داری وکیل پر چھوڑ دے، لیکن توکل کا مفہوم ہرگز یہ نہیں ہے کہ خود پر ذمہ داری نہ لی جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ خود پر کام کرنے کی جدوجہد اور ذمہ داری لی جائے اور قدرت لایزال (اللہ تعالیٰ کی قدرت) پر اعتماد بھی رکھے۔

توکل کے یہ معنی ہیں کہ انسان عمل کے مقام اور کاموں کے انجام پر اپنی سی (اپنی بساط کے مطابق) کوشش دکھائے لیکن اسی حالت میں دل میں یہ عقیدہ بھی رکھے کہ تمام کام اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ اگر وہ چاہے گا تو انسان کی کوشش نتیجہ خیز ثابت ہوگی اور اگر مشیتِ خدا اس کام سے تعلق نہ رکھے گی تو انسان کی کوشش ہرگز اس کی چاہت کے بغیر بارآور ثابت نہ ہوگی۔۔۔(۱۶)

خوف ورجا میں توحید

خوف میں توحید سے مراد یہ ہے کہ انسان صرف اللہ تعالیٰ ہی سے اندیشہ

(۱۶)۔ بحثی مبسوط در آموزش عقاید، جلد اول، ص ۱۱۲۔۱۱۳

Marfat.com

رکھے اور صرف اس طرف سے اضطراب رکھے تاکہ اس کی توجہ ہمیشہ اس (اللہ تعالیٰ) کی جانب رہے، مگر ظاہر ہے کہ یہ اس معنیٰ میں نہیں ہے کہ (العیاذ باللہ) کہ خدا کی ذات اقدس خوف ناک ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ ہمیشہ اس کے غضب سے بچتا رہے، بلکہ ہم جانتے ہیں کہ تمام جمالی صفات خدا کی طرف سے ہیں اور اس کی بے انتہا رحمت کے سائے نے تمام ممکنات کو گھیر رکھا ہے اور اس کے لطف و کرم کے آفتاب کا پَرتَو تمام موجودات پر پڑ رہا ہے۔

صرف اسی کی ذات اقدس ایسی ہے کہ اس سے محبت (دوستی) کی جائے، وہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا (لیس بظلام للعبید) بلکہ وہ رحمان اور رحیم ہے اور در حقیقت تمام کمالی صفات اُس کی ہیں اور اس کی ہر صفت کا پرتو اور جلوہ اچھی صفات (صفات نیک) سے ہے۔

خدا سے خوف اور ڈر کا کیا مطلب ہے؟ در حقیقت اللہ تعالیٰ سے خوف اس معنیٰ میں ہے کہ ہم اپنے اعمال کے آثار سے ڈرتے ہیں، اصل میں خوف اس کمائی کا ہے جو ہم نے اپنے ہاتھوں سے آگے بھیجی ہے اور ہمیں اس عذاب کا خوف ہے جو ہم نے خود اپنے لیے فراہم کیا ہے:

ذلک بما قدمت ایدیکم وان اللہ لیس بظلام للعبید

(آل عمران ۳:۱۸۲)

"یہ (عذاب) ان ہی کاموں کا بدلہ ہے جن کو تمہارے ہاتھوں نے

Marfat.com

(زادِ آخرت بنا کے) پہلے سے بھیجا ہے ورنہ خدا تو کبھی (اپنے) بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں'' (۱۷)

لفظ ''رجاءً'': کلمہ رجاء کے دو استعمال ہیں، کبھی خوف کے مقابل بولا جاتا ہے۔۔۔اس مقام پر رجاء ایک ایسی حالت کا نام ہے جو ایک ممکنہ (احتمالی) منفعت انسان میں پیدا کر دیتی ہے۔۔۔رجاء کا دوسرا استعمال کلمہ ''یاس'' (ناامیدی) کے مقابل ہے اور ایسے موقعوں پر ناامیدی کے مخالف معنے رکھتا ہے۔ ناامیدی (یاس) میں انسان امید کے تمام دروازے خود پر بند سمجھتا ہے اور اپنے مقصد تک پہنچنے کے لیے تمام راستے بند خیال کرتا ہے۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ ناامیدی اللہ کی رحمت سے امید کا قطع کرنا ہے۔ یہ کبیرہ گناہ شمار کیا جاتا ہے اور یہ ایک ایسی حالت ہے جو اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت نہ ہونے سے پیدا ہوتی ہے، کیوں کہ وہ انسان جو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے آگاہ ہے، ہرگز خدا کی قدرت کو محدود نہیں سمجھتا اور اس کو ہر کام کے پورا کرنے اور ہر مشکل کے حل کرنے پر قادر جانتا ہے، اس لیے وہ ہر امتحان اور مشکل میں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور لطف و کرم کی امید رکھتا ہے اور کبھی بھی بارگاہ الٰہی سے مایوس نہیں ہوتا۔

قرآن مجید خوف و رجا کے مسئلے کو اس آیت میں بیان کرتا ہے:

''فلا تخافوهم وخافون ان کنتم مؤمنین''۔

(آل عمران ۳:۱۷۵)

''پس تم ان سے ڈرو نہیں اگر تم سچے مومن ہو تو مجھ ہی سے ڈرتے رہو''۔

---

(۱۷)۔ ایضاً ص ۱۱۳۔۱۱۴

Marfat.com

اور سورہ بقرہ کی آیت ۲۱۸ میں مومنوں کی صفت میں اسی طرح فرماتا ہے:

"ان الذین امنوا والذین ھاجروا وجاھدوا فی سبیل الله لا اولئك یرجون رحمة الله ط والله غفور رحیم"۔

"بے شک جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور خدا کی راہ میں ہجرت کی اور جہاد کیا یہی لوگ خدا کی رحمت کے امیدوار ہیں اور خدا بڑا بخشنے والا مہربان ہے"۔

جو کچھ ہم نے بیان کیا اس سے واضح ہو گیا کہ خوف ورجا میں توحید اس معنیٰ میں ہے کہ انسان صرف اللہ کے عذاب اور پروردگار کے غضب سے بیم وخوف رکھتا ہو اور ہر حال اور ہر کام میں صرف اور صرف اس کی طرف توجہ کرے اور صرف اُسی سے رحمت ولطف وکرم کی امید رکھے (۱۸)

محبت میں توحید

اس سے مراد یہ ہے کہ انسان صرف اللہ تعالیٰ کو حقیقی اور مستقل محبوب جانے اور عمل میں بھی اس سے محبت رکھے، کیوں کہ تمام اچھی صفات اس میں ہیں اور اس کی طرف سے ہیں اور جس کمال کا بھی تصور کیا جا سکتا ہے، اس کا سرچشمہ خدا کی ذات پاک ہے۔ جو جمال (ان اللہ جمیل) وہ رکھتا ہے، پائیدار اور باقی ہے۔ اور باقی، جو کاذب محبوب رکھتے ہیں، ناپائیدار اور فانی ہے۔ لہٰذا بجا ہے کہ انسان اپنے دل میں اس کی محبت کو سمالے۔۔۔ امام حسین علیہ السلام کا کلام کیا خوب عارفانہ ہے، پر شور

(۱۸) ایضاً ص ۱۱۴۔۱۱۵

Marfat.com

دعائے عرفہ میں فرماتے ہیں۔ "اے معبود! اے میرے خدا! تو ہی تو ہے جس نے اپنے حبداروں کے دلوں کو اغیار کی محبت سے خالی کیا اور ان کے دلوں کو نا اہلوں سے پاک کیا کہ وہ تیرے سوا کسی اور کو اپنا محبوب رکھیں اور تیرے آستان کے علاوہ کسی اور کی پناہ لیں۔ (اے میرے خدا) وحشت اور خوف میں تو ہی اپنے حبداروں کا مونس اور ساتھی ہے ۔۔۔ اے خدا! جو شخص تجھ سے قطع تعلق کر لیتا ہے تو پھر وہ اور کیا حاصل کرے گا اور جس شخص نے تجھ کو پالیا، تو پھر وہ اور کیا چیز نہ رکھے گا؟ ۔۔۔ تو وہ ہے جس نے اپنے حبداروں کے حلق میں اپنی محبت و الفت کا شیریں طعام اور خوشگوار لذت ڈالی" (۱۹)

مراتب محبت

اللہ تعالیٰ کی محبت کے متعدد مراتب اور مراحل ہیں اور ہر شخص آمادہ ہو کر اور شائستگی کے ساتھ ان مراحل کو یکے بعد دیگرے طے کر سکتا ہے یہاں تک کہ در حقیقت خدا کے سوا کسی شخص اور کسی چیز کو اپنا محبوب نہیں پاتا۔ بے شک اس طرح آمادہ ہونا اور شائستہ ہونا اتنا آسان نہیں ہے۔ حضرت (امام) حسین بن علی علیہ السلام نے اس کی طرف اشارہ فرمایا: چاہیے کہ دل غیر خدا سے پاک ہو جائے، وہ لوگ جنہوں نے دنیا کی زینت سے دل لگا لیا اور خدا کی محبت پر غیر خدا کی محبت کو اختیار کر لیا اور اللہ کی رحمت اور محبت کا شوق نہیں رکھتے۔ ایسے لوگ اللہ کی محبت کے عالی مراحل کو حاصل نہیں کر سکتے بلکہ ہمیشہ کے لیے وہ سخت عذاب میں گرفتار ہوں گے اور اپنے پروردگار

(۱۹)۔ ایضاً، ص ۱۱۵

Marfat.com

کے دیدار (درگاہ الٰہی میں حاضری) سے محروم ہوں گے۔ قرآن حکیم فرماتا ہے۔

ان الذین لا یرجون لقاء نا ورضوا بالحیوۃ الدنیا واطمأنوا بھا والذین ھم عن اٰیٰتنا غٰفلون ۝ اولئك ماواھم النار بما کانوا یکسبون ۝

(سورہ یونس ۱۰: ۷-۸)

''شک نہیں کہ جن لوگوں کو (قیامت میں) ہماری (بارگاہ کی) حضوری کا کھٹکا نہیں اور دنیا کی (چندروزہ) زندگی سے نہال ہو گئے اور اسی پر چین سے بیٹھے ہیں اور جو لوگ ہماری آیتوں سے غافل ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ ان کی کرتوتوں کی بدولت جہنم ہے''۔

قل ان کان اٰباؤکم و ابناؤکم و اخوانکم و ازواجکم و عشیرتکم و اموال ن اقترفتموھا و تجارۃ تخشون کسادھا و مسٰکن ترضونھا احب الیکم من اللہ ورسولہ و جھاد فی سبیلہ فتربصوا حتی یاتی اللہ بامرہ ط واللہ لا یھدی القوم الفٰسقین

(التوبۃ ۹: ۲۴)

''ہاں خدا کی محبت کے بلند مرتبہ مراحل تک پہنچنے کیلئے ضروری ہے کہ اپنے دل کو دنیا اور اس کے مظاہر سے خالی کرے۔ یہ قرآن مجید ہے جو فرماتا ہے:''۔

(ترجمہ) ''(اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم کہہ دو کہ تمہارے باپ دادا اور تمہارے بیٹے اور

Marfat.com

تمہارے بھائی بند اور تمہاری بیویاں اور تمہارے کنبہ والے اور وہ مال جو تم نے کما کر رکھ چھوڑے ہیں اور وہ تجارت جس کے مندا پڑ جانے کا تمہیں اندیشہ ہے اور وہ مکانات جنہیں تم پسند کرتے ہو اگر تمہیں خدا سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہیں، تو تم ذرا ٹھہرو یہاں تک کہ خدا اپنا حکم (عذاب) موجود کرے اور خدا نافرمان لوگوں کی ہدایت نہیں کرتا"۔

حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کے دل مادیت کے زنگ سے آلودہ ہو چکے ہیں، کس طرح وہ دیدارِ خدا (خدا کی بارگاہ میں حاضری) کی قابلیت رکھتے ہیں؟

کلا بل سکتہ ران علی قلوبھم ما کانوا یکسبون O

کلا انھم عن ربھم یومئذ لمحجوبون O

(المطففین ۸۳:۱۴-۱۵)

"نہیں نہیں بات یہ ہے کہ یہ لوگ جو اعمال (بد) کرتے ہیں۔ ان کا ان کے دلوں پر زنگ بیٹھ گیا ہے۔ بے شک یہ لوگ اس دن اپنے پروردگار کی رحمت سے روک دیے جائیں گے" (۲۰)

اقسام توحید کا استدلالی بیان

ان استدلالات کا بیان کرنا لازم ہے جو قرآن مجید میں آئے ہیں اور یہ دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ دلائل ہیں جن کو قرآن حکیم بیان کرتا ہے اور دوسرے وہ جن کو قرآن کریم انبیاء علیہم السلام کی زبان سے نقل کرتا ہے۔ ہم پہلی قسم کے استدلال سے آغاز کرتے ہیں۔

(۲۰) ایضاً ص۔۱۱۶-۱۱۷

Marfat.com

آیت اول

لو کان فیہما الھۃ الا اللہ لفسدتا ج فسبحٰن اللہ
رب العرش عما یصفون۔ (الانبیاء ۲۱:۲۲)

(یعنی) "اگر (بفرض محال) زمین و آسمان میں خدا کے سوا چند معبود ہوتے تو دونوں کب کے برباد ہو گئے ہوتے۔ تو جو باتیں یہ لوگ اپنے جی سے (اس کے بارے میں) بیان کرتے ہیں خدا جو عرش کا مالک ہے، ان تمام عیبوں سے پاک و پاکیزہ ہے"۔ (۲۱)

(۲۱) ایضاً ص۔۱۱۹۔ یہاں پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ "نہج البلاغہ" سے اس وصیت کا ایک اقتباس پیش کیا جائے جو امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام نے حضرت امام حسن علیہ السلام کو کی تھی۔ پہلے اس اقتباس کا عربی متن دیا جاتا ہے اور اس کے بعد مفتی جعفر حسین اعلی اللہ مقامہ کا اردو ترجمہ دیا جاتا ہے۔ یہ اقتباس زیر حوالہ استدلال سے بہت مناسبت رکھتا ہے:۔

واعلم یا بنی انہ لو کان لربک شریک لا تتک رسلہ، ولرأیت آثار ملکہ و سلطانہ، ولعرفت افعالہ و صفاتہ، ولکنہ اللہ واحد کما وصف نفسہ۔۔۔

(نہج البلاغۃ، مطبوعہ قم (۱۳۹۵ھ) ص۔۳۹۱)

ترجمہ: اے فرزند! یقین کرو کہ اگر تمہارے پروردگار کا کوئی شریک ہوتا تو اس کے بھی رسول آتے، اور اس کی سلطنت و فرمانروائی کے بھی آثار دکھائی دیتے اور اس کے افعال و صفات بھی کچھ معلوم ہوتے مگر وہ اکیلا خدا ہے جیسا کہ اس نے خود بیان کیا ہے۔۔۔

(نہج البلاغہ، ترجمہ و حواشی از علامہ مفتی جعفر حسین اعلی اللہ مقامہ

(لاہور: امامیہ پبلیکیشنز (س۔ن) ص۔۷۰۹)

Marfat.com

آیت دوم

دوسری آیت جس سے توحید ربوبیت اور الوہیت کا پتہ چلتا ہے، سورہ مومنون کی آیت ۹۱ ہے۔ اس میں ارشاد ہے:

ما اتخذ اللہ من ولد وما کان معہ من الٰہ اذالذھب
کل الٰہ بما خلق و لعلا بعضھم علی بعض ط
سبحٰن اللہ عما یصفونo

"نہ تو اللہ نے کسی کو اپنا بیٹا بنایا ہے اور نہ اس کے ساتھ کوئی اور خدا ہے (اگر ایسا ہوتا) تو اس وقت ہر خدا اپنی اپنی مخلوق کو لیے پھرتا اور یقیناً ایک دوسرے پر چڑھائی کرتا (اور خوب جنگ ہوتی) جو جو باتیں یہ لوگ (خدا کی نسبت) بیان کرتے ہیں اس سے خدا پاک و پاکیزہ ہے"۔

آیت سوم

ایک اور آیت جو توحید الوہیت کے موضوع پر ہے، اس سے استفادہ کیا جاتا ہے، یہ سورہ اسرا (بنی اسرائیل) کی آیت ۴۲ ہے:۔

قل لو کان معہ الٰھۃ کما یقولون اذالابتغواالی ذی
العرش سبیلاo

"(اے رسول ﷺ) ان سے تم کہہ دو کہ اگر خدا کے ساتھ جیسا یہ لوگ کہتے ہیں اور معبود بھی ہوتے تو اب تک ان معبودوں نے عرش تک (کی رسائی) کی کوئی نہ کوئی راہ

Marfat.com

نکالی ہوتی''(۲۲)

اس آیت سے دو بیان (یا نتیجے) نکلتے ہیں:۔

بیان اول

آیت میں ارشاد ہے کہ خدا کے ساتھ اور خدا فرض کر لیے جائیں اور اگر وہ حقیقی خدا ہوں تو وہ تدبیر کے مقام پر راہ پائیں گے اور موجودات کے امور کی تدبیر ظاہر کریں گے۔ دوسرے الفاظ میں وہ چاہیں گے کہ حقیقی رب بنیں، کیونکہ الوہیت ربوبیت سے الگ نہیں ہے اور اگر ہر الٰہ رب بھی ہو تو تعدد الٰہ تعدد رب کی صورت میں ظاہر ہوگا۔۔۔ یہ خود تعدد مربوب چاہے گا، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ کائنات کے نظام میں اختلال واقع ہوگا اور عالم ہستی فساد و تباہی پر منتج ہوگا۔

بیان دوم

وہ مشرکین جو دوسرے معبودوں پر اعتقاد رکھتے تھے، وہ ان کو اللہ تعالیٰ کا رتبہ نہیں دیتے تھے، بلکہ وہ خود اس پر یقین رکھتے تھے کہ تمام کائنات کا خالق اور حقیقی اور مستقل ''الٰہ'' صرف خدائے واحد ہے اور قرآن کریم کی آیات اس مطلب کی

(۲۲)۔ بحثی مبسوط در آموزش عقاید، جلد اول، ص۔۱۲۵
سید فرمان علی اعلی اللہ مقامہ اس کے تفسیری حاشیہ میں لکھتے ہیں

''مطلب یہ ہے کہ جس طرح یہ مشہور ہے کہ'' دو بادشاہ در اقلیمے نگنجند''، اسی طرح چند خدا ہوتے تو عرش و کرسی کے مالک خدا سے مقابلہ کا کوئی راستہ نکالتے اور آپس میں لڑ مرتے، یہ تو ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ چند خدا ہوتے ہوئے ایک خدا ہمیشہ ہر بنی سے اپنے کو اکیلا خدا کہلاتا اور دوسرا دم بخود چپکا دیکھا کرتا۔

(القرآن الکریم، ترجمہ و تفسیر از حافظ سید فرمان علی اعلی اللہ مقامہ، ص۔۳۴۲)

Marfat.com

تائید کرتی ہیں، ان میں سے ایک سورہ لقمان کی آیت ۲۵ ہے، اس میں ارشاد ہے:۔

ولئن سالتھم من خلق السمٰوٰتِ والارض لیقولن
اللّٰہ ط قل الحمد للہ ط بل اکثرھم لا یعلمون O

''(اے رسول ﷺ) تم اگر ان سے پوچھو کہ سارے آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو ضرور کہہ دیں گے اللہ نے (اے رسول ﷺ) اس پر تم کہہ دو الحمدللہ مگر ان میں سے اکثر (اتنا بھی) نہیں جانتے ہیں''۔

اس نکتہ پر غور کرنے سے کہنا چاہیے کہ مشرکین کی مراد صرف یہ تھی کہ ان معبودوں کو خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں شفیع قرار دیں اور ان سے چاہیں کہ وہ ان کو خدا تعالیٰ کے نزدیک کر دیں۔ سورہ یونس کی آیت ۱۸ میں مشرکین کے قول کے متعلق ارشاد ہے:۔

ویقولون ھؤلاء شفعاء نا عند اللّٰہ ط

''اور کہتے ہیں کہ خدا کے ہاں یہی لوگ ہمارے سفارشی ہوں گے''۔

سورہ زمر کی آیت ۳ میں ان کے قول کے متعلق ارشاد ہے:۔

ما نعبد ھم الا لیقربونا الی اللّٰہ زُلفی

''(اور کہتے ہیں کہ) ہم تو ان کی پرستش صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ لوگ خدا کی بارگاہ میں ہمارا تقرب بڑھا دیں گے''۔

جو کچھ ہم نے کہا اس کی رو سے زیر بحث آیت میں ارشاد ہے کہ وہ معبود جن کو تم نے بارگاہ الٰہی کے لیے شفیع اور مقرب (قریب کرنے والے) قرار دیا ہے اور

Marfat.com

ان کی عبادت کرتے ہو، یہ تو خود کسی قسم کا کام کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے، وہ تمہاری شفاعت کرنے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک کرنے کے کہاں قابل ہیں، وہ خود اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں۔ اس بنا پر وہ حقیقی ''الٰہ'' (معبود) نہیں ہو سکتے، کیوں کہ وہ اپنے کام کرنے کے لیے کسی قسم کی صلاحیت و اہلیت نہیں رکھتے۔ اگر وہ چاہیں کہ کوئی کام سر انجام دیں تو ان کو چاہیے کہ صاحب عرش خدا تک رسائی حاصل کریں اور اس سے مدد کے طالب ہوں (۲۳)

انبیاء علیہم السلام کی زبانی توحید کا بیان

ہم نے بیان کیا کہ قرآنی آیات میں کبھی مسئلہ توحید براہ راست بیان کیا گیا ہے اور کبھی اس مسئلے کو انبیاء علیہم السلام کی زبانی نقل کیا گیا ہے۔ ہم نے اب تک تین آیات کا ذکر کیا ہے جن میں مسئلہ توحید بیان کیا گیا ہے۔ اب ہم ان آیات کا ذکر کرتے ہیں جن میں مسئلہ توحید کو انبیاء علیہم السلام کی زبان سے مورد بحث لایا گیا ہے/ بیان کیا گیا ہے۔

دو قرآنی آیات میں حضرت ابراہیمؑ کا استدلال

وہ تمام آیات جن میں مسئلہ توحید کا بیان ہے ان میں سے ایک سورہ مریم کی آیت ۴۲ ہے جس میں حضرت ابراہیمؑ کا آزر سے استدلال نقل کیا ہے:۔

اذ قال لابيه يابت لم تعبد مالا يسمع ولا يبصر ولا يغني عنك شيئا٥

''جب انہوں نے اپنے (چچا اور منہ بولے) باپ سے کہا تھا کہ اے ابا آپ کیوں

(۲۳) بحثی مبسوط در آموزش عقاید، جلد اول، ص۔ ۱۲۵۔ ۱۲۷

Marfat.com

ایسی چیز (بت) کی پرستش کرتے ہیں جو نہ سن سکتا ہے نہ دیکھ سکتا ہے اور نہ کچھ آپ کے کام ہی آ سکتا ہے" (۲۴)

دوسری آیات جن میں مسئلہ توحید پر اشارہ کیا گیا ہے، سورہ شعراء کی آیات ۷۰ تا ۷۳ ہیں۔ ان میں ان کا اپنے (منہ بولے) باپ اور اپنی قوم سے گفتگو اور استدلال ہے:۔

اذ قال لابیہ و قومہ ما تعبدون ٥ قالوا نعبد اصناما فنظل لھا عٰکفین ٥ قال ھل یسمعونکم اذ تدعون ٥

(۲۴) ایضاً ص۔ ۱۲۷

اس آیت میں اب سے مراد آزر ہے جو حضرت ابراہیمؑ کے چچا تھے۔ کیوں کہ عربی زبان میں کلمہ "اب" کا اطلاق جس طرح باپ پر ہوتا ہے، اسی طرح چچا پر بھی ہوتا ہے اور اس مقصد پر قرآنی شہادت موجود ہے۔ اس مقام پر جہاں حضرت یعقوبؑ کے بیٹے اپنے باپ سے مخاطب ہوتے ہیں۔ "قالو انعبد الٰھك والٰہ ابائك ابراھیم و اسمٰعیل و اسحٰق الٰھا واحدا" ۔۔۔ (البقرۃ: ۱۳۳)۔ (کہنے لگے ہم آپ کے معبود اور آپ کے باپ داداؤں ابراہیمؑ و اسماعیلؑ و اسحاقؑ کے معبود یکتا خدا کی عبادت کریں گے) ایک طرف سے ہم جانتے ہیں کہ اسماعیلؑ حضرت یعقوبؑ کے چچا تھے لیکن لفظ "اب" کا اطلاق ان پر ہوا ہے۔ اس بنا پر زیر بحث آیت میں "اب" حضرت ابراہیمؑ کے چچا کے لیے آیا ہے اور حضرت ابراہیمؑ کے والد ہرگز بت پرست نہ تھے۔ (ایضاً ص ۱۲۷، حاشیہ زیر حوالہ آیت مذکور)۔

سید فرمان علی اعلی اللہ مقامہ نے بھی اس سلسلے میں ایک تفسیری حاشیہ دیا ہے۔ اس کو بھی نقل کیا جاتا ہے "اس مقام پر (سورہ البقرۃ، آیت ۱۳۳) خدا نے حضرت اسماعیلؑ کو حضرت یعقوبؑ کی اولاد کے باپ داداؤں میں شامل فرمایا ہے حالانکہ حضرت اسماعیلؑ ان کے چچا تھے۔ اس سے صاف واضح ہوا کہ محاورات میں چچا کو بھی باپ کہتے ہیں۔ اسی بنا پر حضرت ابراہیمؑ اپنے چچا آزر بت تراش کو باپ کہا کرتے تھے حالانکہ ان کے والد کا نام "تارخ" تھا۔

(القرآن الکریم، ترجمہ و تفسیر از حافظ سید فرمان علی اعلی اللہ مقامہ، ص۔ ۲۴۳)

Marfat.com

او ینفعونکم او یضرون○

''جب انہوں نے اپنے (منہ بولے) باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگ کس کی عبادت کرتے ہو۔ وہ بولے ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور انہی کے مجاور بن جاتے ہیں، ابراہیمؑ نے کہا بھلا جب تم لوگ انہیں پکارتے ہو تو وہ تمہاری کچھ سنتے ہیں یا کچھ نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں''۔

ان آیات اور حضرت ابراہیمؑ کے سوالات سے نتیجہ نکلتا ہے کہ ''قرآن کریم'' کی رو سے حقیقی ''رب'' وہ ہے جو اپنے مربوب سے کامل رابطہ رکھتا ہو اور اس کو نفع پہنچا سکتا ہو یا اس سے تکلیف اور نقصان کو دور کر سکتا ہو اور یہ سب کچھ بت اور جھوٹے معبود نہیں کر سکتے۔ اس لیے حقیقی رب اور واقعی الٰہ اللہ تعالیٰ ہے جو ہر چیز پر قادر ہے ''ان اللہ علی کل شیءٍ قدیر'' (۲۵)

اضافہ

اس کے بعد کتاب کے مؤلفین نے حضرت ابراہیمؑ کے حوالے سے تین مزید آیات کو نقل کر کے طویل بحث کی ہے۔ یہ وہ واقعات ہیں جو ''قصص القرآن'' کی کتابوں میں بالعموم مل جاتے ہیں یا ''قصص الانبیاء'' کی کتابوں میں بھی ان کی تفصیل ملتی ہے۔ اب یہاں پر قرآن مجید سے چند ایسی آیات نقل کی جاتی ہیں جو دوسرے انبیاء کے حوالہ سے ہیں تاکہ موضوعی عنوان کے ذیل میں بحث کسی حد تک بیان ہو جائے۔ سورۂ اعراف میں انبیاء کا ذکر کر کے ان کی زبانی توحید کی دعوت دی گئی

(۲۵)۔ بحثی مبسوط در آموزش عقاید، جلد اول، ص۔۱۲۷۔۱۲۸

Marfat.com

ہے۔ وہاں سے استفادہ کرتے ہوئے اس موضوع میں اضافہ کیا جاتا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی زبانی ارشاد ہے

لقد ارسلنا نوحا الیٰ قومہ فقال یٰقوم اعبدوا اللہ
مالکم من الٰہ غیرہ ط (الاعراف ۷:۵۹)

''بے شک ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کے پاس (رسول بنا کر) بھیجا تو انہوں نے (لوگوں سے) کہا کہ اے میری قوم خدا ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں''۔

حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا

والی عاد اخاھم ھوداً ط قال یقوم اعبدوا اللہ مالکم
من الٰہ غیرہ ط (الاعراف ۷:۶۵)

''اور ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہودؑ کو (رسول بنا کر) بھیجا تو انہوں نے (بھی لوگوں سے) کہا کہ اے میری قوم خدا ہی کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی معبود نہیں''۔

حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا

و الیٰ ثمود اخاھم صٰلحا م قال یقوم اعبدوا اللہ
مالکم من الٰہ غیرہ ط۔ (الاعراف ۷:۷۳)

''اور ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالحؑ کو (رسول بنا کر بھیجا) تو انہوں نے ان لوگوں سے کہا کہ اے میری قوم خدا ہی کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں ہے۔''

Marfat.com

حضرت شعیب علیہ السلام کا پیغام ان الفاظ میں ہے

والی مدین اخاھم شعیبا ط قال یٰقوم اعبدو اللہ

مالکم من الہ غیرہ ط (الاعراف ۷:۸۵)

''اور ہم نے مدین (والوں کے) پاس ان کے بھائی شعیبؑ کو (رسول بنا کر بھیجا) تو انہوں نے (ان لوگوں) سے کہا کہ اے میری قوم خدا ہی کی عبادت کرو، اس کے سوا کوئی دوسرا تمہارا معبود نہیں''۔

سرکار رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام اس طرح بیان کیا گیا

قل انما انا منذر ق صلے وما من الہ الا اللہ الواحد

القہار o (صٓ ۳۸:۶۵)

''(اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم کہہ دو کہ میں تو بس (عذاب خدا سے) ڈرانے والا ہوں، اور یکتا قہار خدا کے سوا کوئی معبود قابل پرستش نہیں''۔

سورۂ اخلاص کی مختصر تفسیر

سورہ اخلاص توحید کے متعلق ہے۔ اس کے شان نزول میں یہی امر بیان کیا گیا ہے۔ اب اس سورہ کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:۔

قل ھو اللہ احد o اللہ الصمد o لم یلد ولم یولد o ولم

یکن لہ کفوا احد o (الاخلاص)

''(اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم کہہ دو کہ خدا ایک ہے، خدا برحق بے نیاز ہے، نہ اس نے کسی کو جنا نہ اس کو کسی نے جنا اور اس کا کوئی ہمسر نہیں''۔

تفسیر نمونہ جلد ۲۷ میں اس سورہ کا ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے۔

''ا۔ کہہ دیجیے خدا یکتا و یگانہ ہے ۔

Marfat.com

۲۔خدا ہی ہے کہ جس کی طرف تمام حاجت مندرخ کرتے ہیں۔

۳۔نہ تو اس نے کسی کو جنا ہے اور نہ ہی وہ کسی سے پیدا ہوا ہے۔

۴۔اور ہرگز اس کا کوئی ہم پلہ اور مانند نہیں ہے"(۲۶)

تفسیر نمونہ میں اس سورہ کی پہلی آیت کے متعلق لکھا ہے۔

اس سورہ کی پہلی آیت بار بار کے ان سوالات کے جواب میں ہے جو مختلف اقوام یا افراد کی طرف سے پروردگار کے اوصاف کے بارے میں ہوئے تھے، فرماتا ہے "کہہ دیجیے وہ یکتا و یگانہ ہے" (قل ھو اللہ احد) (۲۷)

جملہ کا "ھو" کی ضمیر کے ساتھ آغاز، جو واحد غائب کی ضمیر ہے اور ایک مبہم مفہوم کو بیان کرتی ہے، حقیقت میں اس واقعیت کی ایک رمز اور اشارہ ہے کہ اس کی ذات اقدس انتہائی خفا میں ہے، اور انسانوں کے محدود افکار کی دسترس سے باہر ہے۔ اگرچہ اس کے آثار نے جہان کو اس طرح سے پُر کر رکھا ہے کہ وہ ہر چیز سے زیادہ ظاہر اور زیادہ آشکار ہے جیسا کہ سورہ حم السجدۃ میں آیا ہے۔

سنریھم ایٰتنا فی الا فاق وفی انفسھم حتی یتبین
لھم انہ الحق ط (حم السجدۃ ۴۱:۵۳)

"ہم عنقریب ہی اپنی قدرت کی نشانیاں اطراف (عالم) میں اور خود ان میں دکھا دیں گے، یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہی یقیناً حق ہے" (ترجمہ از سید فرمان علی اعلی اللہ مقامہٗ)

---

(۲۶) تفسیر نمونہ، ترجمہ سید صفدر حسین نجفی، جلد ۲۷، ص۔۳۷۱

(۲۷) ایضاً، ص۔۳۷۱

Marfat.com

اس کے بعد اس ناشناختہ حقیقت سے پردہ اٹھائے ہوئے کہتا ہے، وہ ''یکتا ویگانہ خدا ہے''۔ ضمنی طور پر یہاں ''قل'' (کہہ دے) کا معنی یہ ہے کہ اس حقیقت کا اظہار کرو (۲۸)

اللہ تعالیٰ: ''اللہ'' خدا کا اسم خاص ہے اور امام (حضرت علی علیہ السلام کی روایت متعلقہ اسم اعظم) کی بات کا مفہوم یہ ہے کہ اسی ایک لفظ کے ذریعے اس کی تمام صفات جلال و جمال کی طرف اشارہ ہوا ہے، اور اسی بنا پر اس کو اسم اعظم الٰہی کا نام دیا گیا ہے۔ (۲۹)

احد: لیکن ''احد'' کا لفظ ''وحدت'' کے مادہ سے ہی ہے، اور اسی لیے بعض نے ''احد'' اور ''واحد'' کی ایک ہی معنی کے ساتھ تفسیر کی ہے۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ دونوں ہی اس ذات کی طرف اشارہ ہیں جو ہر لحاظ سے بے مثل و بے نظیر ہے۔ علم میں یگانہ ہے، قدرت میں بے مثل ہے، رحمانیت اور رحیمیت میں یکتا ہے اور خلاصہ یہ ہے کہ وہ ہر لحاظ سے بے نظیر ہے۔

اس لفظ ''احد'' کی تفسیر میں مزید لکھا ہے:۔

ایک حدیث میں امام محمد باقر علیہ السلام سے آیا ہے کہ ''احد'' فرد یگانہ کو کہتے ہیں اور ''احد'' اور ''واحد'' کا ایک ہی مفہوم ہے، اور وہ ایک ایسی منفرد ذات ہے جس کا کوئی مثل و نظیر نہیں ہے اور ''توحید'' اس کی یگانگت، وحدت اور انفرادیت کا اقرار ہے۔

اسی حدیث کے ذیل میں آیا ہے:۔

''واحد عدد نہیں ہے۔ بلکہ واحد اعداد کی بنیاد ہے۔ عدد دو سے شروع

(۲۸) ایضاً ص۔ ۳۷۲

(۲۹) ایضاً ص۔ ۳۷۳

Marfat.com

ہوتا ہے، اس بناپر اللہ احد یعنی وہ معبود جس کی ذات کے ادراک سے انسان عاجز ہیں اور جس کی کیفیت کا احاطہ کرنے سے ناتواں ہیں'' کا معنی یہ ہے کہ وہ الٰہیت میں فرد ہے اور مخلوقات کی صفات سے برتر ہے(۳۰)

صمد: بعد والی آیت میں اس یکتا ذات مقدس کے بارے میں فرمایا ہے ''وہ ایسا خدا ہے کہ تمام حاجت منداسی کی طرف رخ کرتے ہیں'' (اللہ الصمد)۔۔۔

امام حسین بن علی علیہ السلام نے ایک حدیث میں ''صمد'' کے پانچ معانی بیان کیے ہیں:۔

''صمد'' اس ہستی کو کہتے ہیں جو انتہائی سیادت وآقائی میں ہو۔

''صمد'' وہ ذات ہے جو دائم اور ازلی وابدی ہو۔

''صمد'' وہ موجود ہے جو جوف (اندر سے خلا) نہ رکھتا ہو۔

''صمد'' وہ ہستی ہے جو نہ کھاتی ہو نہ پیتی ہو۔

''صمد'' وہ ہستی ہے جو کبھی نہ سوتی ہو(۳۱)

اور بالآخر ایک حدیث میں آیا ہے کہ ''محمد بن حنفیہ'' نے امیر المؤمنین علی علیہ السلام سے ''صمد'' کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا:

''صمد کی تاویل یہ ہے کہ وہ نہ اسم ہے نہ جسم ہے، نہ اس کا کوئی مثل ہے نہ نظیر ہے، نہ صورت ہے، نہ تمثال ہے، نہ حد ہے نہ حدود ہے، نہ محل ہے نہ مکان ہے، نہ حال ہے، نہ یہ ہے، نہ یہاں ہے، نہ وہاں ہے، نہ پُر ہے نہ خالی ہے، نہ کھڑا ہے نہ بیٹھا

(۳۰) ایضاً ص۔۳۷۴

(۳۱) ایضاً ص۔۳۷۶

Marfat.com

ہے، نہ ساکن ہے، نہ متحرک ہے، نہ ظلماتی ہے، نہ نورانی ہے، نہ نفسانی۔ اس کے باوجود کوئی جگہ اس سے خالی نہیں ہے اور کسی مکان میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔ نہ وہ رنگ رکھتا ہے نہ انسان کے دل میں سماتا ہے اور نہ ہی اس کی کوئی بو ہے۔ ان سب چیزوں کی اس کی ذات پاک سے نفی ہوتی ہے (۳۲)

یہ حدیث اچھی طرح سے نشان دہی کرتی ہے کہ ''صمد'' کا ایک بہت ہی جامع اور وسیع مفہوم ہے، جو اس کی ساخت قدس سے مخلوقات کی ہر قسم کی صفات کی نفی کرتا ہے، کیونکہ مشخص اور محدود اسماء، اور اسی طرح جسم و رنگ و بو و مکان و سکون و حرکت و کیفیت و حدو حدود اور اسی قسم کی دوسری چیزیں، یہ سب ممکنات و مخلوقات کی صفات ہیں، بلکہ زیادہ تر عالم مادہ کے اوصاف ہیں، اور ہم جانتے ہیں کہ خدا ان سب سے برتر و بالاتر ہے (۳۳)

۔۔۔ لیکن اس بات کو نہیں بھولنا چاہیے کہ اہل لغت میں ''صمد'' ایک ایسی عظیم ہستی کے معنی میں ہے جس کی طرف تمام حاجت مند رُخ کرتے ہوں اور وہ ہر لحاظ سے کامل ہو، اور ظاہراً باقی تمام معانی اور تفاسیر جو اس کے لیے بیان کی گئی ہیں، اسی اصل کی طرف لوٹتی ہیں (۳۴)

لم یلد ولم یولد: اس کے بعد اگلی آیت میں نصاریٰ، یہود اور مشرکین عرب کی رد پیش کرتے ہوئے، جو خدا کے لیے بیٹے یا باپ کے قائل تھے، فرماتا ہے ''اس نے نہ تو کسی

(۳۲) ایضاً ص ۔ ۳۷۷

(۳۳) ایضاً ص ۔ ۳۷۸

(۳۴) ایضاً ص ۔ ۳۷۸

Marfat.com

کو جنا اور نہ ہی وہ خود کسی سے پیدا ہوا ہے"۔ (لم یلد ولم یولد)

اس بیان کے مقابلہ میں ان لوگوں کا نظریہ ہے جو تثلیث (تین خداؤں) کا عقیدہ رکھتے تھے، باپ خدا، بیٹا خدا اور روح القدس۔

نصاریٰ "مسیحؑ" کو خدا کا بیٹا کہتے تھے اور یہود "عزیرؑ" کو اس کا بیٹا سمجھتے تھے:

وقالت الیہود عزیرن ابن اللہ وقالت النصریٰ المسیح ابن اللہ ط ذلک قولہم بافواھہم ج یضاھون قول الذین کفروا من قبل ط قتلہم اللہ ج انی یؤفکون۔

(التوبہ۹: ۳۰)

"یہود تو یہ کہتے ہیں کہ عزیرؑ خدا کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ مسیح (عیسیٰؑ) خدا کے بیٹے ہیں، یہ تو ان کی بات ہے اور (وہ بھی خود) ان ہی کے منہ سے۔ یہ لوگ بھی ان ہی کافروں کی سی باتیں بنانے لگے ہیں جو ان سے پہلے (گزر چکے ہیں)، خدا ان کو قتل (تہس نہس) کرے (دیکھو تو) کہاں (سے کہاں) بھٹکے جا رہے ہیں"۔

مشرکین عرب کا یہ عقیدہ بھی تھا کہ ملائکہ خدا کی بیٹیاں ہیں۔ (۳۵)

وخرقوالہ بنین و بنتم بغیر علم ط (الانعام ۶: ۱۰۰)

"ان لوگوں نے بے سمجھے بوجھے خدا کے لیے بیٹے بیٹیاں گھڑ ڈالیں"۔

اور آخر میں اس سورہ کی آخری آیت میں خدا کے اوصاف کے بارے میں مطلب کو مرحلہ کمال تک پہنچاتے ہوئے فرماتا ہے: اور ہرگز اس کا کوئی شبیہ اور ہمسر نہیں ہے (ولم یکن لہ کفوا احد)۔ "کفوا" اصل میں مقام و منزلت اور قدر میں ہم

(۳۵) ایضاً ص۔ ۳۷۹

Marfat.com

پلہ کے معنی میں ہے اور اس کے بعد اس کا ہر قسم کے شبیہ اور مانند پر اطلاق ہوا ہے۔

اس آیت کے مطابق مخلوقات کے تمام عوارض اور موجودات کی صفات اور ہر قسم کا نقص و محدودیت اس کی ذات پاک سے منتفی ہے۔ یہ وہی توحید ذاتی و صفاتی ہے جو اس توحید عددی و نوعی کے مقابلہ میں ہے۔۔۔(۳۶)

امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام نہج البلاغہ کے ایک خطبہ میں فرماتے ہیں

لم یلد فیکون مولودا، ولم یولد فیصیر محدودا۔۔۔
ولا کفء (کُفُوَ) لہ فیکافئہ، ولا نظیر لہ فیساویہ۔۔۔(☆)

''اس نے کسی کو نہیں جنا۔۔۔(کہ ہو کوئی اُس یعنی اللہ تعالیٰ کا مولود)۔ اور وہ کسی سے پیدا نہیں ہوا ورنہ وہ محدود ہو جاتا۔۔۔ اس کا کوئی مثل و نظیر نہیں ہے کہ وہ اس کا ہم پلہ ہو جائے اور اس کے لیے کسی شبیہ کا تصور نہیں ہو سکتا کہ وہ اس کے مساوی ہو جائے''۔

یہ ایک ایسی عمدہ تفسیر ہے جو توحید کے عالی ترین دقائق کو بیان کرتی ہے(۳۷)

---

(۳۶)۔ ایضاً، ص۔۳۷۹

(☆) یہ نہج البلاغہ مطبوعہ قم کے خطبہ ۱۸۶ کے دو فقرے ہیں جو اس ایڈیشن کے صفحہ ۲۷۳ اور ۲۷۵ پر موجود ہیں، نہج البلاغہ، ترجمہ و حواشی از مفتی جعفر حسین اعلی اللہ مقامہ کے خطبہ ۱۸۴ میں دو فقرے موجود ہیں (ص۔۵۰۷، ۵۱۰) مفتی صاحب مرحوم نے ان کا ترجمہ یوں کیا ہے ''اس کی کوئی اولاد نہیں اور نہ ہی وہ کسی کی اولاد ہے، ورنہ محدود ہو کر رہ جائے گا (ص۔۵۰۸) نہ اس کا کوئی ہمسر ہے جو اس کے برابر اتر سکے نہ اس کا کوئی مثل و نظیر ہے جو اس سے برابری کر سکے'' (ص۔۵۱۰)

(۳۷)۔ تفسیر نمونہ، جلد ۲۷، ص۔۳۸۰

Marfat.com

خاتمہ

اس کتاب کا خاتمہ امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کے ان الفاظ پر کرتے ہیں جو "نہج البلاغہ" کے پہلے خطبہ کے آغاز میں ہیں۔ علاوہ ازیں ایک حدیث بھی درج کی جاتی ہے اور اختتام سعدی شیرازیؒ کے ایک معروف قطعہ پر کیا جاتا ہے۔ ان سے اس موضوع (الٰہیات) کی وسعت کا علم ہوتا ہے۔ نہج البلاغہ کے اقتباس کا ترجمہ مفتی جعفر حسین اعلی اللہ مقامہ نے اس طرح کیا ہے:۔

"تمام حمد اس اللہ کے لیے ہے، جس کی مدح تک بولنے والوں کی رسائی نہیں، جس کی نعمتوں کو گننے والے گن نہیں سکتے۔ نہ کوشش کرنے والے اس کا حق ادا کر سکتے ہیں۔ نہ بلند پرواز ہمتیں اسے پا سکتی ہیں، نہ عقل و فہم کی گہرائیاں اس کی تہہ تک پہنچ سکتی ہیں۔ اس کے کمال ذات کی کوئی حد معین نہیں۔ نہ اس کے لیے توصیفی الفاظ ہیں، نہ اس (کی ابتدا) کے لیے کوئی وقت ہے، جسے شمار میں لایا جا سکے، نہ اس کی کوئی مدت ہے جو کہیں پہ ختم ہو جائے۔۔۔ (۳۸)

سرکار رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ما عرفناك حق معرفتك (ہم نے تجھے نہ پہچانا جو تیری معرفت کا حق ہے)

شیخ سعدی شیرازیؒ کی کتاب "گلستان" کے شروع والے حصے میں ایک قطعہ ہے جو نہایت خوبصورتی کے ساتھ اس موضوع پر روشنی ڈالتا ہے:۔

(۳۸)۔ نہج البلاغہ، ترجمہ و حواشی مفتی جعفر حسین اعلی اللہ مقامہ، ص۔ ۸۳

Marfat.com

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم
و زہر چہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم
دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر
ما ہمچناں در اول وصفِ تو ماندہ ایم

(ترجمہ) اے وہ ذات جو خیال، قیاس، گمان اور وہم سے بالاتر ہے، اور اس سے بھی جو لوگوں نے کہا ہے اور ہم نے سنا ہے اور پڑھا ہے۔
۲۔ دفتر (کتاب حمد) ختم ہو گیا اور عمر آخر ہوئی اور ہم اسی طرح تیری ابتدائی تعریف میں لگے ہوئے ہیں (۳۹)

(۳۹)۔ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ، گلستان سعدی، مترجم بہ ترجمہ قاضی سجاد حسین، (کراچی کتب خانہ مرکز علم وادب، ۱۹۶۰ء (؟) ص۔۹۔۱۰)

Marfat.com

فہرست مآخذ و مصادر

(۱) اقبال، علامہ محمد۔ بال جبریل، مشمولہ کلیات اقبال اردو۔ لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۸۲۔

(۲) جعفر حسین، علامہ مفتی۔ آؤ رب کو پہچانیں۔ مؤلفہ علامہ عابد عسکری۔ لاہور: المعراج کمپنی، ۲۰۰۵ء۔

(۳) حسین بخش جاڑا، علامہ۔ لمعۃ الانوار فی عقائد الابرار۔ دریا خان: مکتبہ انوار النجف، ۱۹۹۲ء۔

(۴) حسین بخش جاڑا، علامہ۔ مقدمہ تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف۔ دریا خان: مکتبہ انوار النجف، ۱۹۹۱ء۔

(۵) حسین علیین مکان، سید۔ خزینۂ ایمانیہ، ترجمہ حدیقہء سلطانیہ مع توضیحات نورانیہ، ترجمہ و توضیحات سید گلاب علی شاہ۔ ملتان: مکتبہ کاظمیہ (س۔ن)

(۶) داؤد عسکر (مرتب)۔ جوئے شیر۔ کراچی: رشید اینڈ سنز، ۱۹۷۹ء۔

(۷) زین العابدین علی بن الحسین۔ صحیفۂ کاملہ۔ ترجمہ و حواشی از مفتی جعفر حسین۔ لاہور: ادارۂ علمیہ، ۱۳۷۹ھ (؟)

(۸) سعدی شیرازی۔ گلستان سعدی، مترجم بہ ترجمہ قاضی سجاد حسین۔ کراچی: کتب خانہ مرکز علم و ادب، ۱۹۶۰ء (؟)

(۹) طبرسی، ابو منصور احمد بن علی بن ابی طالب۔ ترجمہ و متن کتاب شریف احتجاج ـــ۔ مترجم بہراد جعفری۔ تہران: دار الکتب الاسلامیہ، ۱۳۸۱ھ ش۔ مجلد دوم

Marfat.com

(۱۰) عباس قمی، شیخ۔ فوائد الرضویہ فی احوال علماء المذہب الجعفریہ۔ تہران: کتابخانہ مرکزی، ۱۳۲۷ شمسی۔

(۱۱) عباس قمی، شیخ۔ مفاتیح الجنان مع باقیات الصالحات، ترجمہ از سید ریاض حسین نجفی، ومولانا محمد علی فاضل راجن پوری۔ لاہور: العمران پبلیکیشنز (س۔ن)

(۱۲) عبد الباقی، محمد فواد۔ المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم۔ القاہرۃ: مطبع دارالکتب المصریۃ، ۱۳۶۴ھ۔

(۱۳) علی بن ابی طالبؑ۔ نہج البلاغہ، خطبات امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام۔ ترجمہ وحواشی از علامہ مفتی جعفر حسین اعلی اللہ مقامہ۔ لاہور: امامیہ پبلیشنز (س۔ن)

(۱۴) علی بن ابی طالب۔ نہج البلاغہ۔ قم: انتشارات الھجرۃ، ۱۳۹۵ھ۔

(۱۵) علی ربانی گلپایگانی۔ ایضاح المراد فی شرح کشف المراد۔ قم: مرکز مدیریت حوزۂ علمیہ، ۱۳۸۲ھ۔

(۱۶) علی نقی النقوی، سید۔ تفسیر فصل الخطاب۔ لاہور: مصباح القرآن ٹرسٹ، ۱۹۹۳ء (جلد۔۷)

(۱۷) علی نقی النقوی سید۔ اسلام اور انسانیت۔ لاہور: امامیہ مشن پاکستان رجسٹرڈ، ۱۹۵۶ء۔

(۱۸) فیض الحسن رضوی، سید۔ زاد المعاد لفلاح العباد، نظر ثانی واضافہ سید جمیل احمد رضوی۔ فیصل آباد: سید ظفر عباس رضوی، ۲۰۱۰ء۔

Marfat.com

(۱۹) قرآن۔ القرآن الحکیم، ترجمہ وتفسیر از سید فرمان علی ۔ لاہور: چاند کمپنی (سن۔ن)

(۲۰) کاظم محمد (و) علی دشتی۔ المعجم المفہرس لانفاظ نہج البلاغۃ۔ قم: مؤسسۃ النشر الاسلامی (التابعۃ) لجماعۃ المدرسین بقم المشرفۃ (ایران)، ۱۹۸۵ء۔

(۲۱) محسن غرویان، محمد رضا غلامی، سید محمد حسین میر باقری۔ بحثی مبسوط در آموزش عقاید۔ قم: مؤسسۃ انتشارات دار العلم، ۱۳۷۱ھ (؟)

(۲۲) محمد بن علی بن حسین بابویہ القمی، ابوجعفر۔ التوحید، مترجمہ عطا محمد عابدی (مرحوم)۔ کراچی: الکساء پبلیشرز، ۲۰۱۱ء۔

(۲۳) محمد بن علی بن الحسین بن موسیٰ بابویہ القمی، ابوجعفر۔ احسن الفوائد فی شرح العقائد۔ شرح از علامہ محمد حسین النجفی۔ سرگودھا: شارح (س۔ن)

(۲۴) محمد تقی کاشانی، ملا (اعلی اللہ مقامہ)۔ ہدایۃ الطالبین در اصول دین۔ تہران: میر محمد باقر تہرانی، ۱۲۸۶ھ۔

(۲۵) ناصر مکارم شیرازی (ودیگر)۔ تفسیر نمونہ، اردو ترجمہ سید صفدر حسین نجفی۔ لاہور: مصباح القرآن ٹرسٹ، ۱۴۰۰ھ (؟)۔ ۱۴۱۲ھ

Marfat.com

معرفت و وحدانیتِ خدا تعالیٰ

(بشمول ضمیمہ بعنوان: توحید خدا تعالیٰ)

مصنف

محمد تقی کاشانی اعلی اللہ مقامہ

ترجمہ، تلخیص وحواشی

سید جمیل احمد رضوی

Marfat.com